اگست ۱۹۷۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۲۰ | اگست ۱۹۷۳ء | شمارہ ۸

فہرست مضامین

★ عرض احوال ... اسرار احمد ۱
★ کاہے کا ہے بازخواں ... مولانا ابوالکلام آزاد اور تحریک ... اختر راہی ایم اے ۳
دعوت و تبلیغ قرآن
★ سیرت و سوانح ... مولانا حمید الدین فراہی رح ... ڈاکٹر سعید عابدی ۷
★ تدبر قرآن ... دیباچہ تدبر قرآن جلد سوم ... مولانا امین احسن اصلاحی ۱۴
سورۂ ہود کے مضامین کا تجزیہ ... ,, ۱۷
تفسیر سورۂ ہود (۱) ... ,, ۲۱
★ بحث و نظر ... حروف مقطعات (۱) ... سید غلام احمد تسخیر ۳۱
★ اخلاق و ادب ... تکبر ... محمد انور ۳۷

* مدیر مسؤل *

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم بی-بی-ایس (پنجاب) ایم-اے اسلامیات (کراچی)

* یکے از مطبوعات *

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲ - افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور (فون: ۶۸۲۴۵)

قیمت فی پرچہ: ایک روپیہ

اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

اس مرتبہ 'میثاق' پھر بہت تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ تاہم جن حالات سے راقم الحروف گزشتہ ماہ دوچار رہا ان کے پیش نظر اس کا دیر سے شائع ہو جانا بھی غنیمت ہے!

جون کے پہلے ہفتے میں راقم اپنے ماہانہ سفر پر سکھر ہوتے ہوتے کراچی پہنچا۔ وہاں ایک طرف تو موسم بہت خراب تھا اور دوسری طرف مصروفیت بے پناہ رہی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کا پروگرام تو جیسے بھی ہوا پورا ہو گیا۔ لیکن اس کے فوراً بعد صحت نے جواب دے دیا۔ جمعہ ۸ جون کو رات کے بارہ بجے پروگرام کی آخری نشست سے فراغت ہوئی اور ہفتہ کی صبح ۳ بجے سے راقم کو اسہال شروع ہو گئے۔ جن کی کثرت کا عالم یہ رہا کہ صبح ۶ بجے تک پندرہ سولہ بار بیت الخلا جانا پڑا۔ خدا بڑا رحیم اور کریم ہے۔ اس کے فضل و کرم کا ایک ظہور تو اس طرح ہوا کہ ابتداءً نہ متلی تھی نہ قے۔ اور دوسرے یہ کہ لاہور واپسی کے لئے پی آئی اے کی صبح ۸ بجے کی پرواز میں سیٹ بک تھی۔ چنانچہ راقم اسی روز گھر پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر مرض کی اصل شدت کا ظہور ہوا اور متلی اور استفراغ کا اضافہ بھی ہو گیا۔ گویا پیچ پیچ کا ہیضہ بن گیا۔ چار پانچ روز اسی حال میں گزرے اور اس کے بعد بتدریج مرض میں کمی ہوئی۔ لیکن ایک تو ضعف بے انتہا ہو گیا اور نقاہت حد کو پہنچ گئی اور دوسرے ایک مزید پیچیدگی کے طور پر جگر کے متاثر ہونے کے آثار پیدا ہو گئے اور یرقان کی صورت بن گئی اگرچہ بحمد اللہ یہ پیچیدگی جلد ہی رفع ہو گئی۔ بہرحال اس پورے سلسلے میں کم و بیش دو ہفتے مصاحبتِ فراش کی نذر ہو گئے۔

اس دوران میں تمام اصحاب و رفقا نے جس قدر ہمدردی کا ثبوت دیا اس کا واقعتہً دل پر بہت اثر ہے۔ وہ جس محبت بلکہ عقیدت سے عیادت اور مزاج پرسی کے لئے آتے رہے حقیقت یہ

ہے کہ میں ہرگز اس کا اہل نہیں۔ خصوصاً برادرم ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب، ڈاکٹر سلیم الدین خواجہ صاحب، ڈاکٹر محمد زبیر صاحب، ڈاکٹر مقصود اختر صاحب اور برادرم ڈاکٹر کرنل نور احمد صاحب نے اپنی شدید مصروفیت کے باوجود جس تندہی کے ساتھ راقم کے علاج پر توجہ صرف فرمائی، اس کا دل پر جو اثر ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ تاہم شکریے کے الفاظ اس بنا پر نہ زبان پر آسکے نہ اب قلم ہی سے صادر ہو رہے ہیں کہ اندیشہ ہے کہ اس سے کہیں ان حضرات کے جذبات مجروح نہ ہو جائیں۔ البتہ شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی مدظلہ کا شکریہ ادا کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اپنی ضعیفی کے علی الرغم اور خود علیل ہونے کے باوجود تشریف لانے کی زحمت بھی گوارا فرمائی۔ اور نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ ادویات بھی ارسال کیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

ایک انگریزی کہاوت ہے کہ "بدقسمتی کبھی تنہا نہیں آتی" ہم اگرچہ دینوی مصائب کو بدقسمتی تو ہرگز نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کے برعکس ہمارا ایمان تو اس پر ہے کہ بقول اصدق الناس صلی اللہ علیہ وسلم "من یرد اللہ بہ خیراً یصبہ من الدنیا" تاہم اس بار یہ تجربہ ضرور ہوا کہ مصائب واقعتہً جب آتے ہیں تو پے بہ پے آتے ہیں۔ چنانچہ راقم ابھی اپنی علالت سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ خبر آئی کہ راقم کے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب ایک بائیس فٹ بلند زیر تعمیر چھت سے گر گئے۔ یہ حادثہ ٹیکسلا میں پیش آیا۔ چنانچہ اپنے تمام تر ضعف کے باوجود وہاں جانا ہوا۔ بھائی جان کی حالت خاصی مخدوش تھی۔ اسی حالت میں انہیں لاہور لے کر آیا اور سروسز ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ تین چار روز ان کی حالت بہت تشویش ناک رہی جس کا شدید بوجھ راقم پر جسمانی مشقت کی صورت میں بھی پڑا۔ اور اعصاب کے تناؤ کی شکل میں بھی۔ چنانچہ ایک بار پھر راقم کا اپنا مرض بھی عود کر آیا اور اسہال پھر شروع ہو گئے۔ خدا خدا کر کے بھائی جان کی حالت سدھری اور وہ دو ہفتہ ہسپتال میں رہ کر دائیں بازو پر بھاری پلاستر کا بوجھ اور پہلو میں دو شکستہ پسلیوں کی کسک لئے کم از کم گھر آ گئے۔ ع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت"!

بہرحال پورا سوا مہینہ اسی سلسلہ مصائب کی نذر ہو گیا۔

ان حالات میں قارئین "میثاق"، یقیناً راقم کے اس خیال سے اتفاق کریں گے کہ "میثاق" کا دیر سے شائع ہو جانا بھی بسا غنیمت ہے!

گاہے گاہے باز خواں
اختر راہی، ایم اے

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم
اور
تحریکِ دعوت و تبلیغ قرآن

(۱)

جون ۱۹۱۲ء میں مولانا آزاد نے "الہلال" جاری کیا۔ "الہلال" نے قومی زندگی میں قرآن کی تعلیمات کے نفوذ کے لئے قرآنی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر حکیمانہ تبصرہ کیا اور روزمرہ کے واقعات قرآنی روشنی میں پیش کئے۔ مولانا آزاد کی نگارشات سے قرآن فہمی عام ہوئی اور قوم میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ اسے جملہ مشکلات کا حل قرآن میں تلاش کرنا ہے۔

نومبر ۱۹۱۴ء میں "الہلال" کی دو ہزار روپے کی ضمانت ضبط ہو گئی اور دس ہزار روپے کی ضمانت مزید طلب کر لی گئی۔ مولانا نے ضمانت داخل کرنے سے بہتر یہی سمجھا کہ "الہلال" بند کر دیا جائے چنانچہ یہ مصوّر ہفت روزہ جس نے برصغیر کی صحافت کو ایک نیا ولولہ اور قوم کو انقلاب انگیز پیغام دیا تھا۔ ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کے بعد شائع نہ ہو سکا۔

پہلی عالمگیر جنگ اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ جاری تھی اور برطانوی حکومت نے طرح طرح کی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ تاہم مولانا نے ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو "البلاغ" کے نام سے نیا ہفت روزہ جاری کر دیا۔ "البلاغ" کا ایک مستقل کالم "باب التفسیر" تھا۔

مولانا آزاد نے "الہلال" اور "البلاغ" کے ذریعے قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس مقصد جلیلہ کی خاطر ۱۹۱۴ء میں "دارالارشاد" قائم کیا۔ اس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"چند سال پیشتر کا واقعہ ہے کہ مشیّت الٰہی نے اس عاجز کی رہنمائی کی،

اور 'الہلال' نے قرآن حکیم کی تبلیغ و دعوت کی صدا از سر نو بلند کی۔ لیکن اس عرصہ میں جو کچھ ہوا وہ ایک دعوتِ عام تھی، جس کے ذریعے فہم و بصیرتِ قرآن کی نئی راہیں عوام و خواص نے اپنے سامنے دیکھیں اور قرآن کریم کے عشق و شیفتگی کا ایک نیا ولولہ دلوں میں پیدا ہو گیا۔ تاہم اس دعوت کی ایک دوسری منزل ابھی باقی ہے، اور وہی فی الحقیقت اہم تر مقام سعی و تعب ہے۔ یعنی قوم میں بکثرت ایسے افراد پیدا کئے جائیں جو انہی راہوں پر چل کر قرآن حکیم کے علوم و معارف کو بہ تکمیل حاصل کریں اور ان کے ذریعے قوم میں ارشاد و ہدایت اور احیائے دعوت و ذکر کا عملی سلسلہ بالعموم شروع ہو سکے۔

ہمارے کاموں کی بڑی قسمیں صرف دو ہی ہیں۔ مسلمانوں کی داخلی اصلاح و احیائے علم و عمل اور غیر قوموں میں اسلام کی تبلیغ۔ یہ دونوں کام بغیر کسی ایسی جماعت کی موجودگی کے انجام نہیں پا سکتے جس قدر تحریکیں، انجمنیں، کانفرنسیں اور متفرق کوششیں بغیر اس کے ہوں گی وہ اسی طرح ضائع ہو جائیں گی جس طرح اب تک ضائع ہو چکی ہیں۔

'دارالارشاد' کا مقصد یہی ہے کہ دعوت الی القرآن کی اس دوسری منزل کا سر و سامان ہو اور تھوڑے وقت اور بہت زیادہ صرفِ علم و فکر سے ایک ایسی جماعت پیدا کی جائے جو قرآن حکیم کی دعوت و تبلیغ کی خدمت اور اصلاح و ارشادِ امت کا فرض انجام دے سکے"!

(البلاغ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء)

(۲)

مولانا آزاد کے "الہلال" اور "البلاغ" نیز "دارالارشاد" نے ہزاروں ذہنوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ ان میں سے ایک مولانا محمد دین قندھاری بھی تھے وہ کلکتہ جا کر مولانا سے درس قرآن لینے کا ارادہ رکھتے تھے مگر ۳ مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے مولانا کو DEFENCE OF INDIA ORDINANCE کے تحت حدود بنگال سے باہر جانے کا حکم دے دیا اس سے پہلے اسی آرڈیننس کے

تحت پنجاب، یوپی اور مدراس کی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں داخلے پر پابندی لگا چکی تھیں۔ مولانا رانچی (صوبہ بہار) تشریف لے گئے۔ ۸ جولائی کو ارباب حکومت نے مولانا کو یہیں نظر بند کر دیا۔ "البلاغ" کی محفل اجڑ گئی اور آخر ۲ دسمبر ۱۹۱۹ء کو مولانا رہا ہوئے۔

اس نظر بندی کے دوران مولوی محمد دین قندھاری رانچی حاضر ہوئے۔ موصوف نے قندھار سے رانچی تک سفر بہت حد تک پا پیادہ کیا اور چندے استفادہ کے بعد غیور مرد کوہستانی چپکے سے چلا آیا۔ مولوی موصوف ۱۹۲۷ء میں قندھار میں انتقال کر گئے اور مولانا آزاد کی تفسیر "ترجمان القرآن" نہ دیکھ سکے، تاہم 'ترجمان القرآن' کے ساتھ ساتھ وہ بھی زندہ جاوید ہو گئے اس لئے کہ دراصل وہی ہیں جن کے نام مولانا نے 'ترجمان القرآن' کا انتساب ان الفاظ میں کیا تھا:-

غالباً دسمبر ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے کہ میں رانچی میں نظر بند تھا، عشا کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا تو مجھے محسوس ہوا کہ کوئی شخص پیچھے آ رہا ہے۔ مڑ کے دیکھا تو ایک شخص کمبل اوڑھے کھڑا تھا۔

"آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں جناب میں بہت دور سے آیا ہوں"

"کہاں سے"

"سرحد پار سے"

"یہاں کب پہنچے؟"

"آج شام کو پہنچا۔ میں غریب آدمی ہوں، قندھار سے چل کر پیدل کوئٹہ پہنچا۔ وہاں چند ہم وطن سوداگر مل گئے تھے انہوں نے نوکر رکھ لیا اور آگرہ پہنچا دیا۔ آگرہ سے یہاں تک پیدل چل کر آیا ہوں"

"افسوس تم نے اتنی مصیبت کیوں برداشت کی"

"اس لئے کہ آپ سے قرآن مجید کے بعض مقامات سمجھ لوں۔ میں نے "الہلال" اور "البلاغ" کا ایک ایک لفظ پڑھا ہے"

یہ شخص چند دنوں تک ٹھہرا اور پھر یکایک واپس چلا گیا وہ چلتے وقت اس لئے نہیں ملا کہ اسے اندیشہ تھا میں اسے واپسی کے مصارف کے لئے روپیہ دوں گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بار مجھ پر ڈالے اس نے یقیناً واپسی

میں بھی مسافت کا بڑا حصہ پیدل طے کیا ہوگا۔
مجھے اس کا نام یاد نہیں مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا نہیں لیکن میرے حافظے نے کوتاہی نہ کی ہوتی تو میں یہ کتاب اس کے نام سے منسوب کرتا۔"

(بحوالہ صدائے اسلام پشاور و خدام الدین لاہور)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے قیام کا مقصد

منبع ایمان — اور — سرچشمۂ یقین
قرآن حکیم

کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے تاکہ امت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے اور اس طرح

اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کے دورِ ثانی
کی راہ ہموار ہو سکے

انجمن کے اغراض و مقاصد کی مفصل وضاحت کے لئے مطالعہ فرمائیں:

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ
کرنے کا اصل کام

ازقلم: ڈاکٹر اسرار احمد صدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

سائز ۱۸×۲۲ صفحات ۲۴، طباعت آفسٹ، قیمت پچاس پیسے

شائع کردہ: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ڈاکٹر سعید عابدی
ترجمہ: خالد مسعود

مولانا حمید الدین فراہیؒ

امام حمید الدین فراہیؒ ۱۲۸۰ ہجری (۱۸۶۳ عیسوی) میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں پھریہا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کے حالات کو تاریخ نے محفوظ نہیں رکھا۔ میں نے کچھ معلومات جمع کرنے کی غرض سے تاریخ جدید کی کئی کتابیں پڑھیں لیکن اس موضوع پر مجھے کچھ مواد ہاتھ نہیں آیا۔ امام فراہیؒ سے قریبی یا دُور کی نسبت رکھنے والے بعض علماء سے مجھے اتنا معلوم ہو سکا کہ مولانا کے خاندان نے علم اور دین میں حصّہ وافر پایا اور لوگوں کے دلوں میں اس کا بہت احترام تھا کیونکہ پھریہا اور اس کے گرد و نواح کے دیہات میں اس خاندان کو سیادت و قیادت حاصل تھی۔

امام فراہیؒ کی تعلیم کی ابتدا گھر سے ہوئی۔ اس وقت چونکہ دیندار مسلم گھرانوں کے بچوں کو قرآن مجید حفظ کرایا جاتا تھا، اس رسم کے مطابق مولانا نے بھی قرآن حفظ کیا۔ اس کے بعد فارسی زبان کی تحصیل کے لئے گاؤں کے مدرسہ میں داخل کئے گئے کیونکہ فارسی ان دنوں اسلامی تعلیمات کی زبان تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوی ذہن عطا کیا تھا چنانچہ آپ نے تھوڑی مدت میں اس زبان میں مہارت حاصل کر لی اور ایسا ملکہ حاصل ہوا کہ اکابر شعرائے فارسی کے طرز پر قصیدے کہنے لگے۔

فارسی کی تحصیل کے بعد آپ اپنے گاؤں سے نکلے اور علامہ شبلی نعمانی کے ہاں پہنچے۔ یہ آپ کے پھپھیرے بھائی ہونے کے علاوہ ہندوستان کی ایک مشہور شخصیت، فارسی اور عربی ادب کے جیّد عالم اور اردو زبان کے ایک بلند پایہ ادیب تھے۔ مولانا فراہی نے ان سے عربی ادب کے علاوہ دینی علوم کی تکمیل کی۔ ہندوستان میں اس وقت دینی علوم کا نصاب عربی زبان، ادب، تفسیر، حدیث، بلاغت،

نحو، فلسفہ اور منطق پر مشتمل تھا۔

شبلی نعمانی جب ایک علمی سفر پر نکلے تو مولانا فراہی بھی ان کے ہم رکاب تھے۔ آپ یوپی کے صدر مقام لکھنؤ میں قیام کے دوران ان کے ساتھ مقیم رہے۔ وہاں علامہ ابو الحسنات عبدالحی لکھنوی سے تعارف ہوا جو فقہ اور حدیث کے صاحب تصنیف عالم تھے۔ مولانا نے ان سے فقہ اسلامی کی تعلیم حاصل کی۔ لکھنؤ کے اسی قیام کے دوران آپ کی ملاقات ادیب کبیر شیخ عزیز الدین عزیز لکھنوی سے رہی جن سے آپ نے ادب فارسی میں استفادہ کیا۔ دونوں میں دوستی کا ایسا پائیدار رشتہ استوار ہوا جس کو صرف موت توڑ سکی۔

مولانا فراہیؒ کو علم و معرفت کا جو حصہ لکھنؤ سے مل سکتا تھا اس کو حاصل کرنے کے بعد وہاں سے لوٹے۔ ان کا دل ابھی مزید بلندیوں کو چھونا چاہتا تھا وہ ہر ایسے شخص کی تلاش میں رہتے جو ان کی علمی پیاس بجھا سکے۔ لکھنؤ کے قیام کے دوران انہوں نے سن رکھا تھا کہ لاہور کے اورینٹل کالج میں ایک بہت بڑے عالم اور ادیب علامہ فیض الحسن سہارن پوری پڑھاتے ہیں چنانچہ ان کے دل میں اس کالج میں داخل ہو کر علامہ کے علم و فضل سے مستفید ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ انہوں نے والد سے اجازت لے کر لاہور کا قصد کیا وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ کالج میں داخلہ کی تاریخیں گزر چکی ہیں اور اب انہیں آئندہ سال کے لئے انتظار کرنا ہوگا۔ مولانا اس بات پر قانع نہیں ہوئے اور علامہ فیض الحسن سے مل کر اپنا معاملہ ان کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب ملاقات ہوئی تو علامہ نے یہ جواب دیا کہ وہ کالج کے قواعد کے پابند ہیں جب تک کوئی سیٹ خالی نہ ہو وہ داخلہ نہیں دے سکتے۔ نیز گھر پر وقت دینا ان کے لئے ممکن نہیں۔ فراہیؒ نے جواب دیا کہ وہ سفر کی یہ مشقت برداشت کر کے ان سے استفادہ ہی کے لئے تو حاضر ہوئے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ناکام و نامراد واپس لوٹ جائیں اس بات سے علامہ فیض الحسن متاثر ہوئے اور کہا کہ میرے مشاغل ایسے ہیں کہ سوائے اس وقت کے جو مجھے گھر سے کالج آتے ہوئے لگتا ہے میرے پاس کوئی وقت پڑھانے کے لئے نہیں بچتا۔ میں ایک تانگے میں بیٹھ کر کالج کو آتا ہوں کیا یہ ممکن ہوگا کہ تم تانگے کے پیچھے دوڑ کر اتنے وقت میں رہتے ہی کچھ پڑھ سکو۔ علامہ دراصل مولانا فراہیؒ کے شوق علمی اور عزم و حوصلہ کو جانچنا چاہتے تھے۔ مولانا نے یہ شرط قبول کر لی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان کا تعلق ایک مالدار اور مرفہ الحال گھرانے سے تھا اور ان کی نشو و نما بڑے ناز و نعم سے ہوئی تھی لیکن علم کی محبت نے انہیں اس رستے کی تمام مشکلات کو گوارا کرنے پر تیار کر دیا۔ جب علامہ فیض الحسن نے دیکھا کہ وہ ارادے کے پکے ہیں تو ان کی طرف توجہ کی۔ اس کے

بعد تو یہ حال تھا کہ ان کے لئے وقت کی کوئی قید نہ تھی۔ مولانا نے ادب عربی میں تکمیل کی اور وہ علامہ کے ہاں پوری کی۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مولانا فراہیؒ لاہور میں کتنا عرصہ مقیم رہے لیکن استاد اور شاگرد میں جو تعلق قائم ہوا وہ لاہور سے واپسی کے بعد بھی ہمیشہ قائم رہا اور استاد بھی زندگی بھر شاگرد پہ اپنی عنایات سے دستبردار نہیں ہوئے۔ مولانا فراہیؒ نے استاد کا عربی دیوان اپنے خرچ پر چھپوایا اور استاد کو ہمیشہ یہ فخر رہا کہ فراہی جیسا شخص ان کے شاگردوں میں ہے۔

مولانا لاہور سے واپس لوٹے تو ان کی عمر بیس برس تھی۔ یہ ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) کا واقعہ ہے۔ اب ان کا ارادہ ہوا کہ انگریزی زبان پڑھیں۔ اس وقت کے مسلمان علما کے نزدیک انگریزی پڑھنا کفر سمجھا جاتا تھا۔ علماء کا استدلال یہ تھا کہ یہ زبان انگریزوں کی ہے جنہوں نے مسلمانوں کے خیالات، ان کی دینی روح اور ہند میں معاشرہ کے مشرقی رسوم و آداب کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کے برعکس مولانا فراہی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انگریزی زبان اور مغربی ثقافت کے متعلق جاننا مسلمان نوجوانوں کے لئے اشد ضروری ہے۔ کیونکہ اسلام، پیغمبر اسلامؐ کی شخصیت، اسلام کی تاریخ، نشر و اشاعت اور تعلیمات کا دفاع اس زمانے میں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قدیم عربی علوم اور جدید مغربی علوم کو جمع نہ کیا جائے۔ یہ زمانہ تیزی سے تغیر پذیر ہے، اہل مغرب نے جدید فلسفہ میں مہارت حاصل کر لی ہے اور ایسے نئے علوم پیدا کر دیئے ہیں جو علوم اسلامی کے بارے میں عموماً اور عقائد کے بارے میں خصوصاً شک میں مبتلا کرنے والے ہیں۔ مسلمانوں کا نوجوان طبقہ مغربی تہذیب اور اسلام اور اس کی ثقافت کے بارے میں علما مغرب کی رایوں سے متاثر ہے۔ اس وقت یہ ضروری ہے کہ ان کی عقلی توجیہہ کی جائے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک اہل مغرب کے طریق بحث و تفکر سے مکمل واقفیت اور مغربی ثقافت پر گہری نظر نہ ہو۔ اس مقصد کے تحت مولانا انگریزی زبان پڑھنے کے لئے ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخل ہو گئے۔ لیکن انہوں نے اپنی دلچسپیوں کو انگریزی سیکھنے تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ وہاں جو علمی و ادبی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور جن میں علامہ شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی اور انگریز مستشرق ٹامس آرنلڈ جیسے بلند پایہ اساتذہ شریک ہوتے تھے، ان سے بھی استفادہ کرنے لگے۔ ان مجالس میں علمی روح جاری و ساری ہوتی تھی۔

مولانا فراہی نے علی گڑھ میں نہ صرف انگریزی علوم پر عبور حاصل کیا بلکہ آرنلڈ سے جدید فلسفہ بھی پڑھا۔ اس طرح اسلامی اور مغربی علوم ان کی ذات میں جمع ہو گئے۔ اس چیز نے ان کے فکر اور عقیدہ

کو گہرائی عطا کی اور اسلام کی بنیادوں پہ ان کا ایمان راسخ کر دیا۔ ان کی وفات پر علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا :

"ہم ایک ایسے گرنجویٹ عالم کا ماتم کرتے ہیں جو اپنے علم و فضل، زہد و ورع اور اخلاق و فضائل میں سلف صالح کا نمونہ اور جدید علوم و فنون کی اطلاع و واقفیت اور مقتضیات زمانہ کے علم و فہم میں عہدِ حاضر کی سب سے بہتر مثال تھا۔ اس سے پہلے ان تمام علماء نے جو نئے علم کلام کا اپنے کو بانی کہتے اور سمجھتے ہیں جو کچھ کہا اور لکھا وہ دوسروں سے سنی سنائی باتیں تھیں لیکن اس جماعت میں یہ پہلی ہستی تھی جس نے فلسفہ حال کے متعلق نفیاً یا اثباتاً جو کچھ کہا اور لکھا وہ اپنی ذاتی تحقیق اور ذاتی علم و مطالعہ سے !" (معارف فروری ۱۹۳۱ء)

اس حقیقت کی نہایت پختہ شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ جب مولانا فراہیؒ آرنلڈ سے فلسفہ پڑھا کرتے تھے تو وہ اس کی افکار و آراء کو، خواہ وہ اسلام کے بارے میں ہوں یا غیر اسلام کے بارے میں کبھی خاموشی سے قبول نہ کرتے بلکہ اس پہ نمایاں رد قدح کرتے۔ اگرچہ آرنلڈ ان محدودے چند مستشرقین میں سے ہے جنہوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ذہنوں پہ اتنا گہرا اثر ڈالا کہ لوگ اسے بحث و فکر کے میدان میں اپنے لئے نمونہ بناتے ہیں لیکن مولانا اسے صرف ایک مستشرق ہی سمجھتے تھے، جس کے پیش نظر اسلام اور علوم اسلامی کے بارے میں شک پیدا کرنا اور مسلمان معاشرہ میں انگریزی علوم پھیلانا تھا۔

جب آرنلڈ نے اپنی مشہور کتاب "پریچنگ آف اسلام" شائع کی تو لوگوں نے اس کی تحسین کی اور اسے اسلام کی عظیم خدمت قرار دیا۔ مولانا فراہی پہلے شخص تھے جو اس کتاب کی استشراقی نیش زنی سے واقف ہوئے۔ انہوں نے یہ بات واضح کی کہ مؤلف نے اس کتاب میں اسلام کے روحانی مرتبے کو اس انداز سے گھٹایا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ارادتاً ایسا کیا ہے۔ نیز اس نے مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ نرم برتاؤ کو واضح نہیں کیا پھر اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اسلام کے اہم رکن ــــ جہاد ــــ کو ہدم کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا فراہی کوئی مقلد نہ تھے کہ آنکھ بند کر کے علمائے مغرب کے افکار کو قبول کر لیتے سو ان کی ہر رائے پہ تنقیدی نگاہ ڈالتے تھے۔ اگر اسے درست پاتے تو قبول کرتے ورنہ اسے رد کر دیتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اس کے فساد کو نمایاں کرتے۔

مولانا نے ۱۸۹۲ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے گریجوایشن کی، آگے پڑھا لیکن ایم اے کا امتحان نہ دے سکے۔

۱۹۰۶ء میں ہندوستان کی برطانوی حکومت نے ایم اے او کالج علی گڑھ کے شعبہ عربی کو ایک گراں قدر مالی گرانٹ دی۔ اس کے لئے شرط یہ عاید کی کہ یورپین پروفیسر تعلیم کے لئے مقرر کیا جائے گا۔ استعماری طاقتیں اپنی امدادوں کو ہمیشہ اسی طرح مشروط کیا کرتی ہیں۔ چونکہ کالج کو امداد کی شدید ضرورت تھی اس نے یہ مدد قبول کی اور عربی پڑھانے پر جرمن مستشرق جوزف ہارویز کو مامور کیا۔ مولانا فراہی اس شعبے کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ جب ہارویز نے اپنا عہدہ سنبھالا اور مولانا سے ملا تو پہلی ہی ملاقات میں ان کے علمی مرتبے اور عربی زبان میں مہارت کو بھانپ گیا۔ اگرچہ وہ خود پروفیسر تھا لیکن اس نے مولانا سے یہ درخواست کرنے میں تردد نہیں کیا کہ وہ اسے عربی زبان پڑھائیں۔ مولانا نے اس کی درخواست قبول کر لی۔ ہارویز عبرانی زبان پر خاصا عبور رکھتا تھا۔ مولانا فراہی کو موقعہ ہاتھ لگا تو انہوں نے اس سے عبرانی سیکھنی شروع کر دی تاکہ یہودی اور مسیحی مذاہب کی تحقیق میں اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اسی تعلیم کا مظہر مولانا کی وہ تحقیقات ہیں جو مختلف بحثوں خصوصاً کتاب 'ذبیح کون ہے'؟ میں انہوں نے پیش کی ہیں۔

مولانا حد درجہ ذہین اور علم و فضل کا مجسمہ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت سلیم الفطرت، صاحب ایمان و یقین، پاکیزہ فطرت، پاک دل، بدی سے متنفر، والدین کے حق شناس اور اچھے احکام میں ان کے مطیع تھے۔ بچپن میں اپنی پھوپھی کو قصص الانبیا پڑھ کر سنایا کرتے کیونکہ انہیں انبیا کی حکایتیں بہت مرغوب تھیں۔ بچپن کے اس عمل نے ان کے طرز فکر کو ہمیشہ کے لئے نیکی کے رخ پر ڈال دیا اور ان کے دل میں انبیاء و رسل کی محبت جاگزیں ہو گئی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو انبیا کا ہے کیونکہ صرف انہی کا قدم ہمیشہ حق اور خیر کے رستے پر پڑتا ہے۔

مولانا کے زہد و ورع کا یہ عالم تھا کہ سچائی کی بچپن سے نہایت پختہ عادت ڈال رکھی تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جن مواقع پر لوگ جھوٹ بول دینے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے میں ان مواقع پر بھی ہمیشہ سچ ہی بولنے کی کوشش کرتا تھا اور میرا زندگی بھر کا تجربہ ہے کہ سچ بولنے والا کبھی خسارہ میں نہیں رہتا۔ سچ بولنے کی عادت کا ایک دلچسپ واقعہ خود انہوں نے یوں سنایا کہ جب میں مولانا فیض الحسن سے ادب عربی کی تکمیل کے لئے لاہور روانہ ہونے لگا تو والدہ سے رخصت ہو کر گھر سے نکلا۔ دروازے پر والد سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ والدہ نے تمہیں کتنے روپے دیئے ہیں۔ میں

نے خیال کیا کہ اگر میں نے والد کو والدہ کی دی ہوئی رقم ٹھیک ٹھیک بتا دی تو ممکن ہے والد جو کچھ دینے والے ہیں اس میں کمی کر دیں۔ میں بڑی کش مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جھوٹ بولے بغیر کوئی چارہ نہیں لیکن میں نے ارادہ کر لیا کہ جھوٹ ہرگز نہ بولوں گا چنانچہ میں نے والد سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نہیں بتاؤں گا۔ میرے اس جواب سے والد بہت خوش ہوئے اور کہا حمید جھوٹ نہیں بول سکتا اس کے بعد انہوں نے خوش ہو کر مجھے میری توقع سے زیادہ روپے دیئے۔

گناہوں سے اجتناب کی اسی کوشش کی بنا پر مولانا کبھی افراد کے بارے میں گفتگو میں نہ پڑتے۔ ان کی علمی مجالس میں طلبہ، علما، مناظر، اہل سیاست ہر طرح کے لوگ شریک ہوتے لیکن یہ مجلسیں غیبت، چغل خوری اور لوگوں کے دامن پر کیچڑ اچھالنے سے بالکل پاک ہوتیں۔ اگر مجلس میں گفتگو کبھی علمی اور مذہبی حدود سے متجاوز ہو کر افراد کے اخلاق و کردار کی طرف مڑ جاتی تو مولانا اتنی خوبصورتی کے ساتھ اسے مذہبی و علمی مباحث کی طرف موڑ دیتے کہ کسی کو اس کا احساس تک نہ ہوتا۔

مولانا اپنی پرہیزگاری کے باعث ظاہر گناہ کے علاوہ ان کاموں سے بھی اجتناب کرتے جن پر گناہ ہونے کا شبہ ہوتا۔ خدا خوفی کی بنا پر وہ ہمیشہ حق کے مطابق فیصلہ کرتے اگرچہ اس کا نقصان خود انہی کو اٹھانا پڑے۔ مولانا کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ مولانا کے والد اور ان کے گاؤں کے ایک شخص کے مابین ایک قطعہ زمین کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تو اس شخص نے اس نزاع میں مولانا فراہیؒ کو حکم مان لیا اور اختیار دیا کہ وہ جو بھی فیصلہ کریں گے اسے منظور ہو گا۔ جب مولانا نے اس مقدمے کا مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ حق اس آدمی کا ہے، اُن کے والد کا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ قطعہ زمین اس شخص کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ اس واقعہ سے جہاں ان کی انصاف پسندی کا ثبوت ملتا ہے وہیں ان پر لوگوں کے اعتماد کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

مولانا کو اپنی عزت نفس کا بہت خیال تھا۔ وہ کئی سال دارالعلوم حیدرآباد کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے لیکن اپنا انہماک تدریس و تالیف میں رکھا۔ اس پورے عرصے میں نظام حیدرآباد سے کہ جس سے ملاقات کا شرف حاصل ہونے کے دوسرے لوگ متمنی رہتے تھے، ملنے سے پہلو تہی کرتے رہے۔ نظام کی طرف سے ملاقات کی کئی دعوتیں آئیں لیکن انہوں نے کسی کو قبول نہ کیا۔ جب دوستوں نے بہت مجبور کیا تو نظام کے محل میں جانے کو ایک مصیبت سمجھتے ہوئے گئے اور وہاں شاہی دربار کے آداب کو ملحوظ نہ رکھا۔ ان آداب میں یہ ضروری تھا کہ کوئی شخص نظام کی آواز سے بلند تر آواز میں بات نہ کرے۔ نظام کی کسی رائے کی مخالفت نہ کرے اور جب دربار سے رخصت ہو تو الٹے پاؤں باہر نکلے۔ مولانا نے ان آداب کو

امانت نفس پر محمول کرتے ہوئے ان کو ملحوظ نہ رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی عزت نفس اور فضل و کمال کی حفاظت کو ترجیح دیتے ہوئے حیدر آباد کو خیرباد کہا اور اس گراں قدر مشاہرے کی قطعاً پروا نہ کی جو ان کے اعلیٰ منصب کی بنا پر ملتا تھا اس کی مقدار ایک ہزار روپے ماہوار تھی اور اس زمانے میں یہ سب سے بڑی تنخواہ تھی جو ہندوستان میں کوئی شخص حاصل کرنے کی امید کر سکتا تھا لیکن مولانا نے اس رقم کی خاطر اپنی عزت و شرافت کو داؤں پر لگانا گوارا نہیں کیا۔

الحمد للہ

کہ علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مجموعہ تفاسیر فراہیؒ

مشتمل بر

مقدمہ تفسیر نظام القرآن، و تفاسیر آیت بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ ذاریات، سورۂ تحریم سورۂ قیامہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عبس، سورۂ والشمس، سورۂ والتین، سورۂ والعصر، سورۂ فیل، سورۂ کوثر، سورۂ کافرون، سورہ لہب اور سورۂ اخلاص۔

تالیف بزبان عربی

امام حمید الدین فراہیؒ

اردو ترجمہ

مولانا امین احسن اصلاحی

ایک طویل عرصے تک نایاب رہنے کے بعد اب طباعت کے مرحلے سے گزر کر جلد بندی کے مراحل میں ہے۔ ۲۹×۲۲/۸ سائز کے ۴۳۵ صفحات - عمدہ، دبیز، آفسٹ پیپر پر آفسٹ کی حسین طباعت میں چرمی پشتے کی مضبوط اور پائیدار جلد کے ساتھ۔ ہدیہ -/۲۴ روپے (محصول ڈاک علاوہ)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ) فون: ۵۴۲۲۵۹۸

دیباچہ تدبر قرآن جلد سوم

مولانا امین احسن اصلاحی

قارئین 'میثاق' کے لئے یہ خبر انتہائی مسرت کا باعث ہوگی کہ تدبر قرآن جلد سوم طباعت کے لئے پریس کے حوالے کی جا چکی ہے اور اب انشاء اللہ زیادہ سے زیادہ دو ماہ تک طباعت اور جلد بندی کے جملہ مراحل طے کر کے قدر دانوں کے ہاتھوں تک پہنچ جائے گی۔ ذیل میں ہم اس کا دیباچہ بتر کاشائع کر رہے ہیں ——— (مدیر)

الحمد للہ تدبر قرآن کی تیسری جلد بھی اپنے قدر دانوں کے ہاتھ میں پہنچ رہی ہے۔ میں تو اب اس کو مطبوعہ صورت میں دیکھنے کی توقع نہیں رکھتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انشاء اللہ مجھے بھی اس کو دیکھنے کی خوشی حاصل ہوگی۔ اس کے آخری صفحات زیر قلم ہی تھے کہ میں سخت بیمار پڑ گیا اور بیماری بہت طویل ہو گئی۔ میرے معالجوں کے نزدیک میرا مرض چونکہ غیر معمولی دماغی محنت کا نتیجہ تھا اس وجہ سے انہوں نے مجھے ہر قسم کی دماغی محنت سے یک قلم روک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً سال بھر لکھنے پڑھنے کا کام بالکل بند رہا اور بظاہر ایسا نظر آتا تھا کہ اب اگر مرض سے چھٹکارا حاصل ہوا بھی تو بھی صحت اس دماغی محنت کی متحمل نہ ہو سکے گی جو تدبر قرآن کے لئے مطلوب ہے۔ چنانچہ گمان یہی تھا کہ اس خدمت میں میرے لئے جو حصہ مقدر تھا وہ پورا ہو چکا لیکن یہ تفسیر کے قدر دانوں کی دعاؤں کی برکت ہے کہ میں اب پھر کام کرنے لگا ہوں اور جس رفتار سے کر رہا ہوں اس سے توقع ہے کہ اگر کوئی خلل واقع نہ ہوا تو تین چار مہینوں میں انشاء اللہ چوتھی جلد مکمل ہو جائے گی۔

اس بیماری کے دوران میں جن لوگوں نے میرے لئے دعائیں کی ہیں، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ

ان کو میرے ساتھ یہ تعلق قلب محض اس ناچیز خدمت کی وجہ سے ہے جو اس کتاب کی شکل میں انجام پا رہی ہے۔ انہوں نے مجھے آگاہ بھی کیا ہے کہ وہ میرے لئے دعا محض اس کتاب کی تکمیل کی خاطر کر رہے ہیں اور میں نے ان سے یہ عہد کیا ہے کہ اب اس کام کے سوا کسی اور کام پر میں اپنی قوت اور اپنا وقت صرف نہیں کروں گا۔ میں ان مخلصین کا دل سے شکر گزار ہوں اور ان کے اطمینان کے لئے عرض کرتا ہوں کہ اس خدمت کے سوا اب کسی اور کام کے لئے نہ اپنے اندر قوت و ہمت پاتا ہوں اور نہ اس کے سوا کسی اور چیز سے کوئی دلچسپی ہی باقی رہی ہے۔ چنانچہ اسی مقصد سے اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ باقی ایام زندگی شہر سے دور ایک دیہات کے گوشہ تنہائی میں گزاروں گا کہ کام پوری یکسوئی کے ساتھ ہو سکے۔ شہری زندگی کے ہنگامے اس میں مخل نہ ہو سکیں۔ مخلصین سے درخواست ہے کہ وہ دعا فرمائیں کہ مجھے اس گوشہ تنہائی میں سکون خاطر نصیب ہو۔

اس کتاب کی پچھلی دو جلدوں کی اشاعت سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ اس ناچیز خدمت نے اہل علم کی نگاہوں میں قدر کی جگہ پائی ہے۔ مجھے اس کتاب کے بارے میں حضرات علماء کی رائے کا انتظار خاص طور پر تھا کیونکہ وہی اس کے اصل پرکھنے والے ہو سکتے ہیں۔ الحمد للہ بلا استثنا ہر مکتب خیال کے علماء نے اس خدمت کی تحسین کی ہے اور انہوں نے مجھے اطمینان دلایا ہے کہ وہ اس کی تکمیل کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی، جو قرآن کا شوق رکھتے ہیں، اس کتاب کو اپنی ذہنی الجھنوں کا علاج سمجھتے ہیں اور متمنی ہیں کہ یہ جلد سے جلد پایہ تکمیل کو پہنچے۔ اگرچہ جب اس کام کا میں نے آغاز کیا تھا، ستائش اور صلہ کی تمنا سے بے نیاز ہو کر کیا تھا لیکن اگر اہل علم اس خدمت سے مطمئن ہیں تو اس دنیا میں اس کا پورا پورا صلہ مجھے مل گیا۔ اب صرف یہ آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو قبول فرمائے اور یہ میری نجات کا ذریعہ بنے۔

اس کتاب کے پڑھنے والوں سے یہ گزارش ہے کہ اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ اس کا مطالعہ ایک طرف سے کریں۔ اگر بیچ میں سے کہیں سے آپ نے اس کا مطالعہ شروع کر دیا تو اس کے حقیقی فائدے سے آپ محروم رہیں گے۔ اس میں ہر بحث کے لئے خواہ وہ زبان و لغت و اعراب سے متعلق ہو یا علم و حکمت سے، ایک خاص جگہ متعین کر لی گئی ہے۔ دوسری جگہ اگر اس پر ضرورت کسی گفتگو کی داعی ہوئی ہے تو صرف اسی حد تک اس پر گفتگو کی گئی ہے جس حد تک موقع و محل کا تقاضا ہوا ہے اور پچھلے مباحث کا یا تو حوالہ دے دیا گیا ہے یا اس اعتماد پر حوالہ نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ قاری اس کو پڑھ چکا ہے۔

کتاب کے ظاہری حسن کا سہرا اخویم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے سر ہے اس کے لئے میں بھی انہی کا شکرگزار ہوں اور کتاب کے قدر دان بھی انہی کے ممنون ہوں۔

والسلام

۲۸ر فروری ۱۹۷۳ء　　　امین احسن اصلاحی

طالبین علوم قرآنی کو مژدہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبرِ قرآن

یعنی

مقدمہ و تفاسیر آیۂ بسم اللہ و سورۂ فاتحہ

جس کے مطالعے سے قرآن کے مطالعے کا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور اس پر غور کرنے کا صحیح طریق بھی واضح ہوتا ہے

اشاعت عام اور افادہ عوام کی غرض سے علیحدہ کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔
نہایت عمدہ، سفید، دبیز آفسٹ کاغذ پہ ۔ ۲۲ × ۲۹ کے ۴۴ صفحات
ڈپلیکس بورڈ کے خوبصورت کور سے مزیّن

ہدیہ واجبی یعنی صرف -/۲ روپے

["تدبرِ قرآن" کے قدردانوں سے توقع ہے کہ وہ اس کتاب کی وسیع ترین حلقے میں اشاعت کی جانب توجہ فرمائیں گے! اس مقصد کے لیے دس یا دس سے زیادہ نسخوں کے آرڈر پہ ۲۵ فیصد کمیشن بھی دیا جائیگا]

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

۱۲- افغانی روڈ - سمن آباد - لاہور : (فون: ۶۸۲۴۵)

سلسلہ تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

سورہ ہود کا عمود اور اس کے مطالب کا تجزیہ

اس پورے گروپ کے عمود اور اس کے مطالب پر ایک جامع تبصرہ ہم تفسیر سورہ یونس کی تمہید میں پیش کر چکے ہیں۔ یہ سورہ چونکہ ہمارے اصول سے سورہ یونس ہی کا مثنیٰ ہے۔ اس وجہ سے نفس عمود میں دونوں کے کچھ ایسا فرق نہیں ہے، البتہ اجمال و تفصیل اور بحث و استدلال کے اعتبار سے دونوں کا نہج الگ الگ ہے۔ سورۃ یونس میں جو باتیں بالاجمال بیان ہوئی تھیں مثلاً پچھلی قوموں کی سرگزشتیں ——— وہ اس سورہ میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں اور اس حقیقت کی طرف اس کی پہلی ہی آیت نے اشارہ بھی کر دیا ہے۔ "کتابٌ احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر" (یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں، پھر خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی) ان دونوں کا قرآنی نام بھی ایک ہی یعنی "الٓرا" ہے اور یہ بات ہم اس کے محل میں واضح کر چکے ہیں کہ سورتوں کے نام میں اشتراک ان کے مطالب کے اشتراک پر دلیل ہے۔

عمود سے متعلق یہ اشارہ کافی ہے۔ اب ہم سورہ کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں جس سے پوری سورہ بحیثیت مجموعی نگاہ کے سامنے آجائے گی۔

مطالب کا تجزیہ

[۱ - ۴] پہلے بطور تمہید قرآن کی یہ خصوصیت واضح کی گئی ہے کہ قرآن کی تربیت و تعلیم کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس شکل میں اتارا ہے کہ پہلے صرف اصولی اور بنیادی باتیں، گھٹے ہوئے الفاظ میں، اجمال و اختصار کے ساتھ بیان ہوئیں۔ پھر بالتدریج وہ تفصیل

کے قالب میں آئیں۔ اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کتاب کے پیغام کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ اللہ واحد کی بندگی اور استغفار و توبہ کی دعوت ہے اور میں اللہ کی طرف سے بشیر و نذیر ہو کر آیا ہوں کہ جو لوگ استغفار کر کے اللہ واحد کی طرف رجوع کریں گے اللہ ایک مقررہ مدت تک ان کو زندگی کی نعمتوں سے بہرہ مند اور اپنے فضل سے متمتع کرے گا اور جو لوگ اس سے اعراض کریں گے ان کے لئے ایک بڑے عذاب کا دن سامنے ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

[۵-۶] ان لوگوں کی حالت پر اظہار افسوس جن کے دل تو یہ گواہی دے رہے ہیں کہ پیغمبر کا ڈرانا بالکل حق ہے لیکن اس کے باوجود وہ حقیقت کا مواجہہ کرنے سے اس طرح گریز کر رہے ہیں گویا وہ اپنے آپ کو خدا سے چھپا رہے ہیں حالانکہ خدا سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہتی۔ وہ پوشیدہ و علانیہ ہر چیز سے باخبر اور سینوں کے بھیدوں سے بھی آگاہ ہے۔ وہی سب کو رزق پہنچاتا ہے اس کو ہر ایک کے مستقر و مدفن کا پتہ ہے۔ ہر چیز اس کے رجسٹر میں درج ہے۔

[۷-۱۱] جزا و سزا کے منکرین اور عذاب کے مذاق اڑانے والوں کو تنبیہ کہ یہ دنیا بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو اس لئے بنایا ہے کہ وہ دیکھے کہ لوگ کیسا عمل کرتے ہیں۔ مجرموں کو جو مہلت وہ دیتا ہے اس سے دلیر ہو کر شریر لوگ پیغمبر کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں کہ اس نے محض دھونس جمانے کے لئے عذاب کی دھمکی دی تھی۔ انسان کا حال عجیب ہے کہ جب خدا کی پکڑ میں آجاتا ہے تب تو بالکل مایوس اور دل شکستہ ہو جاتا ہے لیکن جب خدا اس کو ڈھیل دے دیتا ہے تو اکڑنے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے۔ تھوڑے لوگ ایسے نکلتے ہیں جو مصیبت میں صبر کی اور نعمت میں شکر کی روش اختیار کرتے ہیں۔ انہی کے لئے خدا کے ہاں مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

[۱۲-۱۶] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی کہ تم مخالفین کے استہزاء اور مطالبۂ معجزات سے دل شکستہ نہ ہو۔ تم ایک منذر ہو، اپنا فرض انذار ادا کرو، خدا سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارا گھڑا ہوا ہے تو ان سے کہو کہ وہ دس سورتیں ایسی ہی گھڑی ہوئی لا کر دکھا دیں اور اس کام میں وہ اپنے ان شریکوں کی مدد بھی حاصل کر لیں جن کو یہ خدا کے سوا پوجتے ہیں۔ اگر ان کے شرکاء اس کام میں ان کی مدد نہ کر سکیں تو پھر یہ مانیں کہ یہ خدا کی اتاری ہوئی چیز ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ان لوگوں کو اگر یہ گھمنڈ ہے کہ دنیا وی اعتبار سے تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے مقابل میں ان کا حال بہتر ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا کے طالبین کو اللہ سب کچھ اسی دنیا میں پورا کر دیتا ہے۔ آخرت میں ان کے لئے دوزخ کے سوا

کچھ بھی نہیں ہے۔

[۱۷ - ۲۴] قرآن کی دعوت کو قبول کرنے والوں اور اس سے اعراض کرنے والوں کے ذہنی فرق و اختلاف کی وضاحت، ایمان صرف وہ لوگ لائیں گے جن کی فطرت مسخ ہونے سے محفوظ ہو۔ وہ قرآن کی آواز کو اپنے دل کی آواز سمجھیں گے۔ اس سے پہلے موسیٰ کو جو کتاب دی گئی وہ بھی ان کے لئے ایک تائید مزید فراہم کرے گی۔ رہے وہ لوگ جن کی اپنی فطرت کا نور بجھ چکا ہو وہ دوزخ کی آگ ہی دیکھ کر قائل ہوں گے تو ان کی مخالفت تمہیں اپنے موقف کے بارے میں کسی تردد میں نہ ڈالے۔ ان لوگوں سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جنہوں نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے اور اس جھوٹ کے ذریعہ سے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں۔ یہ خدا کے قابو سے باہر نہیں ہیں لیکن خدا اس لئے انہیں ڈھیل دے رہا ہے کہ آخرت میں ساری کسر پوری ہو جائے گی۔ فلاح صرف ان لوگوں کو حاصل ہوگی جنہوں نے اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے رب کے حوالے کر دیا اور ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کی۔ ان دونوں گروہوں کی تمثیل ایسی ہے کہ ایک گروہ اندھوں بہروں کا ہو اور دوسرا چشم و گوش رکھنے والوں کا۔ کیا یہ دونوں یکساں ہوں گے؟

[۲۵ - ۴۹] حضرت نوح اور ان کی قوم کی سرگزشت جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا ہے کہ جس بشارت و انذار کے ساتھ تم اپنی قوم کے پاس آئے ہو بعینہٖ اسی انذار و بشارت کے ساتھ اللہ نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا۔ ان کی قوم کے سرغنوں نے بھی بعینہٖ اسی طرح کی باتیں بنائیں جس طرح کی باتیں تمہاری قوم کے لیڈر بنا رہے ہیں۔ انہوں نے بھی اسی طرح عذاب کا مطالبہ کیا جس طرح تمہاری قوم کے لوگ کر رہے ہیں بالآخر ان پہ اللہ کا عذاب آیا اور وہ غرق کر دیئے گئے۔ آخر میں اس کا خلاصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان لفظوں میں رکھا گیا ہے 'فاصبر ان العاقبۃ للمتقین' (پس جمے رہو انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کے لئے ہے) یعنی اگر تمہاری قوم کے لوگ بھی سرکشی سے باز نہ آئے تو اسی طرح کا روز بد یہ بھی دیکھیں گے خدا تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بہر حال سرخرو کرے گا۔ اگر تم تمام مخالفتوں کے علی الرغم اپنی دعوت میں ثابت قدم رہے۔

[۵۰ - ۶۰] قوم عاد کی سرگزشت۔ انہوں نے بھی اپنے پیغمبر ہود کے ساتھ اسی قسم کی روش اختیار کی جس قسم کی روش قوم نوح نے نوح کے ساتھ اور قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کی۔ بالآخر یہ بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچے اور ہود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سرخرو کیا۔

اس سرگزشت کے سنانے سے بھی مقصود قریش کو تاریخ کے آئینہ میں ان کا انجام دکھا دینا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے۔

[۶۱ - ۶۸] قوم ثمود اور حضرت صالحؑ کی سرگزشت جس سے بعینہٖ وہی حقیقت واضح ہوتی ہے جو اوپر کی سرگزشتوں سے واضح ہوتی ہے۔

[۶۹ - ۸۳] قوم لوطؑ کی سرگزشت اسی مضمون کی تائید کے لئے جو اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتے اتارنے کا مطالبہ کر رہے ہیں یہ اپنی شامت بلانے کا سامان کر رہے ہیں۔ فرشتوں کا بلانا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ یہ جب آتے ہیں تو کسی عظیم خدائی مہم پر آتے ہیں۔ ان کی اہمیت کا یہ حال ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے عظیم پیغمبر نے جب یہ محسوس کیا کہ ان کے پاس فرشتے آئے ہیں تو ان کا دم خشک ہو گیا اور اس وقت تک انہوں نے اطمینان کا سانس نہیں لیا جب تک ان کی پیش نظر مہم کی نوعیت ان کے سامنے واضح نہیں ہو گئی۔

[۸۴ - ۹۵] اہل مدین اور حضرت شعیبؑ کی سرگزشت۔

[۹۶ - ۹۹] حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت کی طرف سرسری اشارہ۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت پچھلی سورہ میں تفصیل سے گزر چکی تھی اس وجہ سے اس سورہ میں اس کی طرف صرف اشارہ فرما دیا۔

[۱۰۰ - ۱۲۳] خاتمہ سورہ جس میں ان سرگزشتوں کو سنانے سے جو مقصد ہے اس کو واضح فرمایا ہے۔ پھر ان سے جو نتائج و حقائق نکلتے ہیں ان کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ضروری ہدایات دی ہیں۔ قریش کو اپنے ملک کی تاریخ سے سبق لینے ورنہ نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہنے کے لئے تنبیہ فرمائی ہے۔

مضامین سورہ کے اس تجزیہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ پوری سورہ ایک معین مقصد پر نہایت جامع اور مربوط خطبہ ہے۔ اب ہم اللہ کا نام لے کر اپنے طریقہ کے مطابق، سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں وما توفیقی الا باللہ

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ ہود (۱)

(مکی، آیات ۱۲۳)

آیات ۱ تا ۲۴

ترجمہ

یہ الٓرٰ ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں پھر خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ میں تمہارے لئے اس کی طرف سے ہوشیار کرنے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں، اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت چاہو، پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم کو ایک وقت معین تک اچھی طرح بہرہ مند کرے گا اور ہر مستحق فضل کو اپنے فضل سے نوازے گا اور اگر تم منہ موڑو گے تو میں تم پر ایک ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱-۴

ذرا دیکھو یہ اپنے سینے موڑتے ہیں کہ اس سے چھپ جائیں۔ ہاں، یہ اس وقت بھی اس کی نظر میں ہوتے ہیں جب اپنے اوپر کپڑے لپیٹتے ہیں وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ تو سینوں کے بھیدوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے۔ اور زمین کے ہر جاندار کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ جانتا ہے اس کے مستقر اور مدفن کو۔ ہر چیز ایک واضح رجسٹر میں درج ہے۔ ۵-۶

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تمہیں جانچے کہ کون اچھے عمل والا ہے۔ اور اگر تم کہتے ہو کہ مرنے کے بعد تم لوگ اٹھائے جاؤ گے تو یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔

اور اگر ہم ان سے عذاب کو کچھ مدت کے لئے ٹالے دیتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ اس کو کیا چیز روکے ہوئے ہے! آگاہ کہ جس دن وہ ان پر آ دھمکے گا تو ان سے ٹالا نہ جا سکے گا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں وہ ان کو آگھیرے گی۔ اور اگر ہم انسان کو اپنے کسی فضل سے نوازتے ہیں پھر اس سے اس کو محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے اور اگر کسی تکلیف کے بعد، جو اس کو پہنچی، اس کو نعمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے میری مصیبتیں دفع ہوئیں اور وہ اکڑنے والا اور شیخی بگھارنے والا بن جاتا ہے۔ صرف وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جو صبر کرنے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں انہی کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ ۷-۱۱

شاید اس چیز کا کچھ حصہ تم چھوڑ دینے والے ہو جو تم پر وحی کی جا رہی ہے۔ اور اس سے تمہارا سینہ بھنچ رہا ہے کہ وہ کہیں گے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ تم تو بس ایک ہوشیار کر دینے والے ہو اور ہر چیز اللہ کے حوالہ ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ ان سے کہو کہ پھر تم ایسی ہی دس سورتیں گھڑی ہوئی لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پس اگر وہ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں تم سمجھ لو کہ یہ اللہ ہی کے علم سے اترا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو کیا اب تم مانتے ہو۔ ۱۲-۱۴

جو دنیا کی زندگی اور اس کے سروسامان کے طالب ہوتے ہیں ہم ان کے اعمال کا بدلہ یہیں چکا دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور جو کچھ انہوں نے کیا کرایا ہے سب غبط ہو جائے گا اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔ ۱۵-۱۶

کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک برہان پر ہے۔ پھر اس کے بعد اس کی طرف سے ایک گواہ بھی آ جاتا ہے اور اس کے پہلے سے موسیٰؑ کی کتاب رہنما اور رحمت کی حیثیت سے موجود ہے اور وہ جو نور بصیرت سے محروم ہیں دونوں یکساں ہو جائیں گے؟ اس پر ایمان تو وہی لوگ لائیں گے اور جماعتوں میں سے جو اس کا انکار کریں گے ان کا موعود ٹھکانا بس دوزخ ہے۔ پس تم اس کے باب میں کسی شک میں نہ پڑو۔ یہی تمہارے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں مانتے اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو

اللہ پر جھوٹ گھڑیں۔ ان لوگوں کی پیشی ان کے رب کے سامنے ہوگی اور گواہ گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ بولے ہیں۔ آگاہ کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کے یہی لوگ منکر ہیں۔ یہ زمین میں خدا کے قابو سے باہر نہیں اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار ہے۔ ان پر دونا عذاب ہوگا۔ یہ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھتے ہی تھے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا اور جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے سب ہوا ہو جائیں گے۔ لازماً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خسارے میں ہوں گے۔ باقی رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور جو اپنے رب کی طرف جھک پڑے تو وہی لوگ جنت والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریقوں کی تمثیل ایسی ہے کہ ایک اندھا اور بہرا ہو اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا۔ کیا دونوں کا حال ایک جیسا ہو جائے گا؟ کیا تم لوگ دھیان نہیں کرتے۔ ۱۷ - ۲۴

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

الٓرٰ کتٰب احکمت ایاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر۔ الا تعبدوا الا اللہ انني لکم منہ نذیر و بشیر۔ وان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعا حسنا الی اجل مسمی ویؤت کل ذی فضل فضلہ وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر۔ الی اللہ مرجعکم وھو علی کل شئ قدیر ۱ - ۴

' الٓرٰ کتٰب احکمت ایاتہ ... الآیۃ ' الٓرٰ ' اس سورہ کا قرآنی نام ہے۔ یہی نام پچھلی سورہ کا بھی ہے اور یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ عمود و مضمون کے اعتبار سے دونوں سورتیں باہم ملتی جلتی ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ان دونوں میں فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہے۔ پچھلی سورہ میں جو پہلو مجمل رہ گئے تھے وہ اس میں وضاحت سے سامنے آگئے ہیں۔ یہ فرق یوں تو ہر پہلو میں نمایاں ہے لیکن خاص طور پر واقعات کے بیان میں یہ فرق بہت زیادہ واضح نظر آئے گا۔ اجمال کے بعد تفصیل کا یہ طریقہ، جو قرآن نے اختیار کیا ہے، یہ صرف تنوع کی خاطر نہیں اختیار کیا ہے بلکہ تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے نقطہ نظر سے یہی طریقہ مفید اور بابرکت ہے۔

دریا بکوزہ

'احکام' کے معنی کسی چیز کو اچھی طرح گانٹھنے اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ کپڑا خوب ٹھونک کر گفت بنا جائے تو یہ لفظ اس کے لئے بھی آئے گا۔ قرآنی آیات کے لئے اس لفظ کے استعمال سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ قرآن کی تعلیمات پہلے گٹھے ہوئے، مختصر اور جامع جملوں کی شکل میں نازل ہوئیں۔ پھر بالتدریج وہ واضح اور مفصل ہوتی گئیں۔ چنانچہ مکہ کے ابتدائی دور میں جو سورتیں نازل ہوئیں وہ اختصار، جامعیت اور اعجاز بیان کا کامل نمونہ ہیں۔ دین کی بنیادی باتیں مختصر گٹھے ہوئے جملوں میں دریا بکوزہ کی مثال ہیں۔ بعد میں آہستہ آہستہ ان پر تفصیل کا رنگ آیا۔ یہاں تک کہ مدنی دور میں آکر دین کی وہی بنیادی باتیں ایک جامع اور ہمہ گیر نظام زندگی کی شکل میں نمایاں ہو گئیں۔ اس چیز کا حوالہ دینے سے مقصود اس اہتمام خاص کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا ہے جو ان کی تعلیم و تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں ملحوظ رکھا ہے۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ تورات کے معاملے میں ترتیب و تدریج اور احکام و تفصیل کا یہ اہتمام نہیں ہوا بلکہ اس کا بیشتر حصہ بیک دفعہ نازل ہو گیا۔ آخر میں 'حکیم و خبیر' کی صفات کا حوالہ ہے۔ اس لئے کہ خدائے حکیم ہی جان سکتا تھا کہ وہ حکمت کے خزانوں کو کس طرح مختصر لفظوں میں بند کرے اور پھر خدائے خبیر ہی کی یہ شان تھی کہ وہ کھول کر دکھائے کہ ایک ایک کوزے میں کتنے دریا اور کتنے سمندر بند ہیں۔

قرآن کا بنیادی پیغام

'الا تعبدوا الا اللہ .... الآیہ' یہ اس کتاب کا بنیادی پیغام ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ یہی پیغام دین و شریعت کی اصل ہے۔ اللہ کے رسول ہمیشہ اسی پیغام کے ساتھ بشیر و نذیر بن کر آئے۔ انہوں نے اس پیغام کے قبول کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کی بشارت دی اور جو لوگ اس سے اعراض کریں ان کو ایک ہولناک عذاب سے ڈرایا چنانچہ انذار و بشارت کا یہی فریضہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا تھا۔

بشارت

'وان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ' یہ بشارت کا پہلو مذکور ہوا ہے کہ اپنے رب سے مغفرت مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو تو اللہ تعالیٰ ایک مدت معینہ تک اس دنیا میں تم کو اپنی نعمتوں سے بہرہ ور کرے گا اور ہر مستحق فضل کو خاص اپنے فضل سے نوازے گا۔

انذار

'وان تولوا .... الآیہ' یہ انذار کا پہلو بیان ہوا ہے کہ اگر اس دعوت سے منہ موڑو گے تو ایک ہولناک دن کے عذاب سے دوچار ہونے کے لئے تیار رہو۔ اس عذاب سے وہ عذاب مراد ہے جو رسول کی تکذیب کرنے والوں پر لازماً آتا ہے۔ رسول کے مان لینے والوں کو زندگی کی مہلت

ملتی ہے اور کامیابی نصیب ہوتی ہے جو اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک لوگ صحیح راہ پر استوار رہتے ہیں لیکن رسول کے مکذبین اتمام حجت کی مہلت گزر جانے پر کسی ہولناک عذاب کے ذریعے یک قلم ختم کر دیئے جاتے ہیں۔

توبہ کے دو رکن

اس آیت سے توبہ کے متعلق بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کے دو اہم رکن ہیں۔ ایک استغفار دوسرا توبہ۔ استغفار تو یہ ہے کہ آدمی اپنے جرم کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس سے آئندہ باز رہنے کا عہد کرے اور توبہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور اس صحیح راہ کو اختیار کرے جس کی طرف اللہ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اگر آدمی جرم سے باز نہ آئے اور صحیح روش اختیار نہ کرے تو زبان سے لاکھ توبہ توبہ کرے اس کی توبہ محض مذاق ہے۔

"الی اللہ مرجعکم ..... الآیہ" اوپر مکذبین رسول کے لئے جس عذاب کا ذکر ہے اس کا تعلق اس دنیا سے ہے اب یہ آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے کہ اس کے بعد تمہاری واپسی خدا کی طرف ہونی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ "وہ ہر چیز پر قادر ہے" کے ابہام کے اندر جو تخویف ہے وہ کسی تفریح کے اندر نہیں سما سکتی۔

الا انہم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ ط الا حین یستغشون ثیابھم

یعلم ما یسرون وما یعلنون ج انہ علیم بذات الصدور ۰

غرور و تکبر کی تصویر

"ثنی" کے معنی پھیرنے، موڑنے اور لپیٹنے کے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ آدمی جب کسی بات کو غرور اور نفرت کے سبب سے سننا نہیں چاہتا تو مونڈھے جھٹک کر اور سینہ موڑ کر وہاں سے چل دیتا ہے۔ اسی حالت کو سورہ حج آیت ۹ میں "ثانی عطفہ" سے تعبیر فرمایا ہے اور یہاں "یثنون صدورھم" سے۔ اسی چیز کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ آدمی اپنی چادر سنبھالتا اور اپنے اوپر لپیٹتا اور چل دیتا ہے۔ اس کو "استغشائے ثیاب" سے تعبیر فرمایا ہے۔ مثلاً سورہ نوح آیت ۷ میں ہے "وانی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی آذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا" (اور میں نے جب جب ان کو دعوت دی کہ تو ان کی مغفرت فرمائے انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنی چادریں لپیٹ لیں اور ضد کی اور نہایت گھمنڈ کیا)

اب اس آیت میں تصویر ہے اس رد عمل کی جو پیغمبر کے انذار کے جواب میں متکبرین قریش اختیار کرتے تھے کہ غرور سے سینہ موڑ کے وہاں سے چل دیتے اور اس طرح اپنے زعم میں گویا خدا اور اس کے انذار سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے۔ انسان کی حماقتوں میں سے ایک حماقت یہ بھی ہے کہ وہ ایک حقیقت

ملتی ہے اور کامیابی نصیب ہوتی ہے جو اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک لوگ صحیح راہ پر استوار رہتے ہیں لیکن رسول کے مکذبین اتمام حجت کی مہلت گزر جانے پر کسی ہولناک عذاب کے ذریعے سے یک قلم ختم کر دیئے جاتے ہیں۔

توبہ کے دو رکن

اس آیت سے توبہ کے متعلق بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کے دو اہم رکن ہیں۔ ایک استغفار دوسرا توبہ۔ استغفار تو یہ ہے کہ آدمی اپنے جرم کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس سے آئندہ باز رہنے کا عہد کرے اور توبہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور اس صحیح راہ کو اختیار کرے جس کی طرف اللہ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اگر آدمی جرم سے باز نہ آئے اور صحیح روش اختیار نہ کرے تو زبان سے لاکھ توبہ توبہ کرے اس کی توبہ محض مذاق ہے۔

'الی اللہ مرجعکم .... الآیہ' اوپر مکذبین رسول کے لئے جس عذاب کا ذکر ہے اس کا تعلق اس دنیا سے ہے اب یہ آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے کہ اس کے بعد تمہاری واپسی خدا کی طرف ہونی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ "وہ ہر چیز پہ قادر ہے" کے ابہام کے اندر جو تخویف ہے وہ کسی تفریح کے اندر نہیں سما سکتی۔

الا انہم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ ط الا حین یستغشون ثیابھم

یعلم ما یسرون وما یعلنون ج انہ علیم بذات الصدور ۝

غرور کے رویے کی تصویر

'ثنی' کے معنی پھیرنے، موڑنے اور لپیٹنے کے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ آدمی جب کسی بات کو غرور اور نفرت کے سبب سے سننا نہیں چاہتا تو مونڈھے جھٹک کر اور سینہ موڑ کر وہاں سے چل دیتا ہے۔ اسی حالت کو سورہ حج آیت ۹ میں 'ثانی عطفہ' سے تعبیر فرمایا ہے اور یہاں 'یثنون صدورھم' سے۔ اسی چیز کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ آدمی اپنی چادر سنبھالتا اور اپنے اوپر لپیٹتا اور چل دیتا ہے۔ اس کو 'استغشائے ثیاب' سے تعبیر فرمایا ہے۔ مثلاً سورہ نوح آیت ۷ میں ہے 'وانی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی آذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا' (اور میں نے جب جب ان کو دعوت دی کہ تو ان کی مغفرت فرمائے انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنی چادریں لپیٹ لیں اور ضد کی اور نہایت گھمنڈ کیا)

اب اس آیت میں تصویر ہے اس رویے کی جو پیغمبر کے انذار کے جواب میں متکبرین قریش اختیار کرتے تھے کہ غرور سے سینہ موڑ کے وہاں سے چل دیتے اور اس طرح اپنے زعم میں گویا خدا اور اس کے انذار سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے۔ انسان کی حماقتوں میں سے ایک حماقت یہ بھی ہے کہ وہ ایک حقیقت

کا مواجہہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب وہ حقیقت حقیقت نہیں رہی۔ حالانکہ کسی کے گریز کرنے سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ شتر مرغ طوفان کا احساس کر کے اپنا سر ریت میں چھپا لیا کرتا ہے تو اس سے طوفان کا رخ تبدیل نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح اگر خدا انذار فرما رہا ہے تو اس سے چھپنے کی یہ تدبیر بالکل ہی احمقانہ ہے کہ اس کو سننے سے گریز کیا جائے۔ آخر خدا سے آدمی کہاں چھپ سکتا ہے۔ وہ تو اس وقت بھی لوگوں کو دیکھتا ہے جب لوگ اپنے اوپر اپنی چادریں لپیٹتے ہیں، وہ تو ظاہر سے بھی واقف ہوتا ہے اور پوشیدہ سے بھی اور سینوں کے تمام اسرار سے بھی۔

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا و یعلم مستقرھا و مستودعھا کل فی کتاب مبین۔ ۶

'مستقر' اور 'مستودع' پر انعام ۹۸ کے تحت بحث گزر چکی ہے۔ 'مستقر' سے مراد وہ ٹھکانا ہے جہاں انسان زندگی کے دن گزارتا ہے اور 'مستودع' سے مراد وہ جگہ ہے جہاں وہ مرنے کے بعد زمین کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اسی مضمون کی مزید وضاحت ہے جو اوپر والی آیت میں گزرا کہ خدا کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کوئی اس سے بھاگ یا چھپ نہیں سکتا۔ فرمایا کہ وہ خدا ہی ہے جس کے ہاتھوں ہر جاندار کو روزی مل رہی ہے۔ مطلب یہ کہ جو ہر جاندار کو، وہ جہاں بھی ہو پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا سمندروں کی تہوں میں، گھنے جنگلوں میں یا آباد شہروں میں، اس کا مقدر رزق پہنچا رہا ہے کیا اس سے بھی کوئی چیز مخفی ہو سکتی ہے؟ پھر اس میں خدا سے چھپنے کی کوشش کرنے والوں کے لئے ایک مخفی ملامت بھی ہے کہ حیف ہے ان لوگوں پر جو اس کی بات سننے سے گریز کر رہے ہیں جس کے بخشے ہوئے رزق پر پل رہے ہیں۔ 'یعلم مستقرھا و مستودعھا' وہ ہر ایک کے مستقر کو بھی جانتا ہے اور اس کے مدفن کو بھی جانتا ہے جہاں وہ مرنے کے بعد زمین کی امانت میں دیا جاتا ہے۔ مدفن کے لئے 'مستودع' کا لفظ استعمال کرنے میں یہ بلیغ تذکیر ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب وہ مر گیا تو بس فنا ہو گیا۔ وہ فنا نہیں ہو جاتا بلکہ وہ زمین کی امانت میں دے دیا جاتا ہے اور ایک دن آئے گا جب زمین یہ امانت اپنے رب کے حوالہ کرے گی۔ 'کل فی کتاب مبین' ہر چیز ایک واضح رجسٹر میں درج ہے۔ نہ کوئی چیز درج ہونے سے رہ گئی اور نہ کسی چیز کی تلاش کے لئے کوئی زحمت اٹھانی ہے۔

خدا کا علم ہر چیز کو محیط ہے

وھو الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء لیبلوکم ایکم احسن عملا ولئن قلت انکم مبعوثون من بعد الموت لیقولن الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین۔ ۷

یہ اس جزا و سزا کا بیان ہے جس سے ان کو ڈرایا جاتا تھا لیکن وہ اس کو تسلیم کرکے اس کے لئے تیاری کرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ فرمایا کہ وہی خدا جس کے رزق پہ سب پل رہے ہیں وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس سے پہلے اس کی حکومت پانی پہ تھی۔ ہم دوسرے مقام میں وضاحت کر چکے ہیں کہ چھ دنوں سے ہمارے یہ دن مراد نہیں ہیں بلکہ خدائی دن مراد ہیں جن میں سے ہر دن ہمارے ہزاروں سال کے برابر ہوتا ہے۔ ہم ان کو ادوار سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ دنیا کا چھ ادوار میں درجہ بدرجہ ظہور میں آنا اور اپنے نقطۂ کمال کو پہنچنا اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا ظہور کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ اس کے خالق نے ارادہ، اسکیم، ترتیب اور حکمت کے ساتھ اس کو وجود بخشا ہے۔ یہ ارادہ، اسکیم اور ترتیب و حکمت اس بات کی شہادت ہے کہ یہ کوئی بے غایت و بے مقصد کارخانہ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم غایت ہے جس کا ظہور میں آنا لازمی ہے۔

وکان عرشہ علی الماء۔ 'عرش' خدا کی حکومت کی تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کرۂ ارض کی خشکی نمودار ہونے سے پہلے پہلے یہ سارا کرہ مائی تھا اور اللہ کی حکومت اس پہ تھی۔ پھر پانی سے خشکی نمودار ہوئی اور زندگی کی مختلف النوع انواع ظہور میں آئیں اور درجہ بدرجہ یہ پورا عالم بستی آباد ہوا۔ یہی بات تورات میں بھی بیان ہوئی ہے اگرچہ اس کے مترجموں نے مطلب خبط کر دیا ہے۔ کتاب پیدائش کی پہلی ہی آیت میں یہ الفاظ ہیں "اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا اور خدا کی روح پانی کی سطح پہ جنبش کرتی تھی"

لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ یعنی یہ سارا اہتمام و انتظام صاف اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ دنیا کوئی بازیچہ اطفال یا کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشہ نہیں ہے کہ یوں ہی پیدا ہوئی یوں ہی تمام ہو جائے۔ انسان جو اس میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کے لئے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری چیزیں پیدا کی گئی ہیں کوئی شتر بے مہار نہیں چھوڑا گیا کہ کھائے پیئے عیش کرے اور ایک دن ختم ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس دنیا کے خالق نے ایک عبث کام کیا درآنحالیکہ اس دنیا کے ایک ایک ذرہ سے اس کی قدرت، حکمت اور رحمت کی ایسی شہادتیں مل رہی ہیں کہ ان کی موجودگی میں اس کی طرف کسی کارعبث کی نسبت بالکل خلاف عقل ہے۔ اگر اس کی طرف اس طرح کی کوئی نسبت خلاف عقل ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ انسان کو ارادے کی آزادی اور خیر و شر کا امتیاز دے کر یہ امتحان کر رہا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے خیر کی راہ

اختیار کرتا ہے یا شرک اور لازماً وہ اس کے لئے ایک دن اپنے رب کے آگے مسئول اور جواب دہ ہوگا اور اپنے عمل کے مطابق جزا یا سزا بھگتے گا۔ یاد ہوگا، عالم کے چھ دن میں پیدا کئے جانے کا ذکر سورۂ یونس میں بھی ہوا ہے۔ یہاں اس پر 'لیبلوکم ایکم احسن عملا' کا اضافہ ہے جس سے وہ حقیقت واضح ہوتی ہے جو اس اہتمام سے اس عالم کے پیدا کئے جانے میں مضمر ہے۔

'ولئن قلت انکم مبعوثون ..... الآیۃ' یعنی یہ بات تو بالکل بدیہی اور نہایت واضح معلوم ہوتی ہے لیکن اگر یہی بات تم ان لوگوں کو سمجھاتے ہو کہ مرنے کے بعد تم حساب کتاب اور جزا و سزا کے لئے اٹھائے جاؤ گے تو یہ تمہاری تقریر کے زور اور تمہارے حسن بیان کو صداقت کی دل نشینی قرار دینے کے بجائے الفاظ و بیان کی جادوگری قرار دیتے ہیں تاکہ یہ اپنے عوام کو دھوکہ دے سکیں کہ وہ قرآن اور پیغمبر کی باتوں سے متاثر نہ ہوں۔

'ولئن اخرنا عنهم العذاب الی امة معدودة ليقولن ما يحبسه الا يوم يا تيهم ليس مصروفا عنهم و حاق بهم ما كانوا به يستهزءون ٥ ولئن اذقنا الانسان منا رحمة ثم نزعنا منه انه ليئوس كفور ٥ ولئن اذقناه نعماء بعد ضراء مسته ليقولن ذهب السيات عنى انه لفرح فخور ٥ الا الذين صبروا وعملوا الصلحت اولئك لهم مغفرة واجر كبير ٥ ۸-۱۱

'ولئن اخرنا عنهم العذاب الی امة ... الآیہ' لفظ 'امت' یہاں ٹھیک اپنے لغوی مفہوم یعنی مدت کے معنی میں ہے جس طرح سورۂ یوسف میں ہے وقال الذی نجا منهما وادکر بعد امة ۴۵ (اور کہا اس نے جس نے ان دونوں میں سے رہائی پائی تھی اور ایک مدت کے بعد اس نے یاد کیا)

لفظ امت کا مفہوم

اوپر کی آیت میں ان کے اس مذاق کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی خبر کا وہ اڑا رہے تھے۔ اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہی مذاق کی روش ان کی اس عذاب کے بارے میں بھی ہے جس سے اس دنیا میں ان کو لازماً دوچار ہونا ہے اگر انہوں نے رسول کی تکذیب کر دی۔ فرمایا کہ جس عذاب کی ان کو خبر دی جا رہی ہے اگر کچھ مدت کے لئے ہم اس کو ٹال رہے ہیں تو یہ ہماری عنایت ہے کہ ہم ان کو توبہ اور اصلاح کی مہلت دے رہے ہیں لیکن یہ اپنی بدبختی سے اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محض ایک دھونس ہے اور پیغمبر کا مذاق اڑاتے ہیں کہ اگر عذاب آنے والا ہے

کفار کے استہزا کا جواب

تو انہیں نہیں جاتا، کس چیز نے اس کو باندھ رکھا ہے۔ فرمایا کہ ان کی اس جسارت اور بدبختی پر افسوس ہے، جس دن وہ عذاب ظاہر ہوگا کسی کی یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ اس کو ان سے ہٹا سکے۔ نہ یہ خود اس کے رخ کو موڑ سکیں گے اور نہ ان کے شرکاء اور شفعاء اس وقت ان کی کچھ مدد کر سکیں گے۔ وہ عذاب ان کو اپنے گرداب میں لے لے گا جس کو یہ دل لگی سمجھتے اور جس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

'ولئن اذقنا الانسان ... انه لفرح فخور' یہاں لفظ انسان اگرچہ عام ہے لیکن اس سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اوپر سے آ رہا ہے۔ ضدی اور جھگڑالو مخاطب سے جب منہ پھیر لینا مقصود ہوتا ہے تو بسا اوقات یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ اس کو خطاب کرکے یا اس کی طرف اشارہ کرکے بات کہنے کے بجائے ایک کلیّہ کے اسلوب میں بات کہہ دی جاتی ہے جس سے اعراض کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے اور بات بھی ایک کلیّہ کا جامہ اختیار کر لینے کی وجہ سے زیادہ مؤثر اور جاندار ہو جاتی ہے۔ یہی اسلوب تعریض یہاں اختیار کیا گیا ہے اور اس کی نہایت بلیغ مثالیں آگے آئیں گی۔ اس اسلوب کے فوائد پر انشاء اللہ ہم کسی موزوں مقام پر بحث کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اس وقت اللہ نے ان کو جو اپنے رزق و فضل سے نواز رکھا ہے تو یہ اس کے شکرگزار ہونے کے بجائے بدمستی میں اس کی تذکیر و تنبیہ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ان کو عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو ڈرنے کے بجائے ڈھیٹ ہو کر عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان کی اس حالت پر صبر کرو اور ان کو نظر انداز کرو۔ عام طور پر لوگوں کا حال یہی ہوتا ہے کہ جب اللہ ان کو اپنے فضل سے نوازتا ہے تو وہ اس کے شکرگزار ہونے کے بجائے اکڑتے اور دندناتے ہیں اور جب ذرا خدا کی گرفت میں آ جاتے ہیں تو فوراً دل شکستہ اور مایوس ہو جاتے ہیں۔ آج ان کے طنطنہ اور غرّہ کا یہ حال ہے کہ اپنے آگے کسی کو خاطر ہی میں نہیں لا رہے ہیں لیکن اس طنطنہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ قدرت ذرا سا جھنجھوڑ دے تو دیکھو کیسے بلبلا اٹھتے ہیں۔

'الا الذین صبروا وعملوا الصّٰلحٰت ... الآیۃ' یہ ان لوگوں کا بیان ہے جو مذکورہ عام کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی آزمائش اور مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو اللہ سے مایوس و دل شکستہ ہونے کے بجائے اس کی رحمت کی امید پر صابر و مطمئن رہتے ہیں اور جب اس کے فضل و نعمت سے نوازے جاتے ہیں تو اکڑنے اور مغرور ہونے کے بجائے اس کے شکرگزار ہوتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ مصیبت ان کی صبر کی صفت کو مستحکم کرتی ہے اور نعمت ان کے لئے شکر اور اعمال صالحہ کی راہیں کھولتی ہے۔ یہی لوگ انسانیت کے گل سرسبد ہیں اور ان کے لئے اللہ کے ہاں مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ رہے وہ

لوگ جنہوں نے مصائب سے مایوسی کا اور نعمتوں سے غرور اور تکبر کا اندوختہ فراہم کیا ہے تو یہ اپنے اس اندوختہ سمیت جہنم کے ایندھن بنیں گے۔

[illegible]

'فلعلک تارک بعض ما یوحیٰ الیک ... الآیہ' یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ تم ان لوگوں کے رویے سے برداشتہ خاطر ہو کر اپنے فرض کی ادائیگی میں ذرا ڈھیلے نہ پڑنا۔ اگر یہ تمہیں خدا کا رسول ماننے کے لئے یہ شرط ٹھہراتے ہیں کہ تمہارے پاس بہت بڑا خزانہ ہو یا تمہارے ساتھ کوئی فرشتہ تمہاری رسالت کی گواہی دیتا پھرے تو اس قسم کے احمقانہ مطالبات تمہارے لئے وجہ پریشانی نہ ہوں۔ تم صرف ان کے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہو، ان پر داروغہ مقرر کر کے نہیں بھیجے گئے ہو کہ لازماً ان کو تم ہدایت کے راستہ پر کر ہی دو۔ انذار کا فرض ادا کر دینے کے بعد تمہاری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اگر لاطائل مطالبات کو بہانہ بنا کر یہ لوگ حقیقت سے گریز کرنا چاہتے ہیں تو معاملہ اللہ کے حوالے کرو وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، تمہاری جاں فشانیاں بھی اس کے سامنے ہیں اور ان کی شرارتیں بھی۔ وہ ان کو جس چیز کا مستحق پائے گا وہی ان کے ساتھ کرے گا اور جب کرے گا، تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ بن سکے گا —— یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اس قسم کی ہدایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ وحی الٰہی کے کسی حصہ کی تبلیغ سے ہچکچا رہے تھے یا اس کو چھوڑ دینا چاہتے تھے بلکہ یہ حالات کی شدت اور ان کے سبب سے آپ کی پریشانی کے پیش نظر آپ کو اپنے موقف پر استقامت کی تلقین اور اپنی ذمہ داری کو اس کے حدود ہی تک محدود رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ اس قسم کے مواقع میں خطاب میں جو ذرا تیزی ہوتی ہے، اس کا رخ، جیسا کہ ہم بار بار ظاہر کر چکے ہیں اصلاً پیغمبر کی طرف نہیں ہوتا بلکہ ان معاندین کی طرف ہوتا ہے، جن کا عناد اس ہدایت کا موجب ہوتا ہے۔

قرآن کا چیلنج

'ام یقولون افتراہ ... الآیہ' یہ استفہام اظہار تعجب کی نوعیت کا ہے۔ اوپر کے اعتراضات تو سادہ اسلوب میں نقل کر دیئے ہیں لیکن قرآن کو پیغمبر کی گھڑی ہوئی کتاب قرار دینا ایک نہایت عجیب بات تھی۔ بالخصوص ان لوگوں کی زبان سے جو کلام کے حسن و قبح کے نقاد اور اس کے ایجاز و اعجاز کے قدردان بھی تھے اور موازنہ اور مقابلہ کے لئے ان کے پاس اپنے چوٹی کے شاعروں اور خطیبوں کے کلام کا ایک دفتر بھی موجود تھا۔ اس وجہ سے اس کا ذکر تعجب کے اسلوب میں فرمایا کہ اگر یہ بے شرم ہو کر یہ بات کہتے ہیں تو اس کا فیصلہ نہایت آسانی سے یوں ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ایسی ہی دس سورتیں گھڑی ہوئی پیش کر دیں اور اگر یہ کام تنہا ان کے بس کا نہ ہو تو اپنے ان شرکاء اور شفعاء کو بھی

اپنی مدد کے لئے بلا لیں جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔

'ان کنتم صٰدقین' میں ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ جن کو تم پوجتے ہو یہ خدا کے شریک ہیں اگر یہ خدا کے شریک ہیں تو یہ سب سے زیادہ اہم موقع ہے کہ وہ قرآن کی نظیر پیش کرنے میں تمہاری مدد کریں اس لئے کہ اس قرآن کی بدولت سب سے زیادہ خطرے میں خود ان کی خدائی ہے۔ دوسرا مفہوم اس کے اندر یہ ہے کہ اگر تم اپنے اس گمان میں سچے ہو کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنی تصنیف ہے جس کو وہ لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ سورۂ طور میں ہے 'ام یقولون تقولہ بل لا یؤمنون ہ فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین ۳۳-۳۴ (کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو گھڑ لیا ہے بلکہ وہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر وہ اپنے اس گمان میں سچے ہیں تو اس کے مانند کوئی کلام خود پیش کر دیں) اس آیت سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جو لوگ اس کو گھڑی ہوئی چیز قرار دیتے تھے یہ ان کے دل کی آواز نہیں تھی بلکہ یہ محض ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ تراشا گیا تھا۔

تحدی کی نوعیت

اس سورہ میں ان سے دس سورتوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ سورہ یونس آیت ۳۸ میں ایک ہی سورہ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ بقرہ آیت ۲۳ میں بھی ایک ہی سورہ کا مطالبہ ہے۔ بنی اسرائیل آیت ۸۸ میں 'مثل قرآن' کا مطالبہ ہے اور سورہ طور کی مذکورہ بالا آیت میں 'بحدیث مثلہ' کے الفاظ ہیں جن کا واضح مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد قرآن کی مانند کلام ہے، عام اس سے کہ وہ ایک سورہ کی شکل میں ہو یا دس سورتوں کی شکل میں، یا قرآن و کتاب کی شکل میں۔ عام طور پر لوگوں نے ان مختلف آیتوں کو سامنے رکھ کر اس تحدی کی ایک تدریج و ترتیب قائم کی ہے کہ پہلے ان سے مانند قرآن کتاب پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا جب وہ اس سے عاجز رہے تو دس سورتوں کا مطالبہ کیا گیا، جب وہ اس سے بھی قاصر رہے تو ادنیٰ درجہ میں ان سے ایک ہی سورہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا، لیکن وہ اس کا بھی حوصلہ نہ کر سکے۔ اگرچہ یہ بات بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی صحت کا انحصار اس امر پر ہے کہ جن سورتوں میں یہ تحدی مذکور ہوئی ہے ان کا زمانہ نزول تعین کے ساتھ معلوم ہو۔ چونکہ یہ معاملہ مشکل ہے اس وجہ سے ہمارے نزدیک صائب رائے یہ ہے کہ قرآن نے شروع ہی میں، جیسا کہ سورۂ طور کی مذکورہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے قرآن کے مانند کلام پیش کرنے کا مطالبہ کیا، خواہ وہ دس سورتوں کی شکل میں ہو یا ایک ہی سورہ کی شکل میں، بعد میں اسی اجمال کو حسب موقع مختلف الفاظ میں واضح فرمایا گیا ہمارے نزدیک اس کو عام معنی میں تحدی سمجھنا بھی کچھ صحیح نہیں ہے۔ تحدی اور چیلنج کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے

جہاں گمان ہو کہ حریف میدان مقابلہ میں اتر لے اور قسمت آزمائی کا حوصلہ رکھتا ہے جب یہ واضح ہو کہ حریف کی ساری مشیخت محض حقیقت سے گریز و فرار کے لئے ایک بہانہ ہے تو اس کو ایک خاص اہتمام کے ساتھ چیلنج کرنے کے بجائے یہ بہتر ہوتا ہے کہ پہلا ہی وار اس کے لئے بھرپور ہو۔

'فالم یستجیبوا لکم ... الآیۃ' استجاب لہ' کے معنی ہیں اس کے سوال کا جواب دیا اس کی حاجت پوری کی، خدا کے تعلق سے یہ لفظ آئے تو اس کے معنی ہوں گے اس کی دعا قبول کی۔

تحدی قرآن پر الزام کا جواب

اوپر والی آیت میں بات بالواسطہ کہی گئی تھی اس میں ان کو براہ راست خطاب کرکے فرمایا کہ اگر تمہارے یہ شفعاء اور شرکاء قرآن کا جواب پیش کرنے کی مہم میں تمہاری حاجت روائی کے لئے نہ اٹھیں تو پھر یہ مانو کہ یہ کتاب علم الٰہی کا فیضان ہے جیسا کہ پیغمبر کہتے ہیں، نہ کہ ان کی گھڑی ہوئی، جیسا کہ تم الزام لگاتے ہو۔ 'انما انزل بعلم اللہ' سے یہ بات واضح ہوئی کہ قرآن کے اعجاز کا اصلی پہلو یہ ہے کہ وہ جس علم و معرفت کا خزانہ ہے وہ خزانہ خدا کے سوا کوئی اور بخش ہی نہیں سکتا۔ 'وان لا الہ الا ھو' یہ دوسرا بدیہی نتیجہ ہے جو اس کا جواب پیش کرنے سے قاصر رہنے کی صورت میں نکلتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور تم جن کو معبود بنائے بیٹھے ہو یہ محض خیالی چیزیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر ان کی کوئی حقیقت ہے تو یہ وقت ہے کہ وہ تمہاری اور خود اپنی عزت بچانے کے لئے کچھ جوہر دکھائیں۔ اگر اس نازک موقع پر بھی ان کی غیرت جوش میں نہیں آتی تو پھر آخر وہ کس مرض کی دوا ہیں 'فھل انتم مسلمون' کے اسلوب بیان میں تشویق و ترغیب کا پہلو بھی ہے اور زجر و ملامت کا بھی۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی بات ثابت کرنے کے لئے پورا موقع حاصل ہے، تم اس کے لئے اپنے معبودوں کو بھی مدد کے لئے بلا سکتے ہو۔ لیکن اس سب کے بعد بھی اگر تم کچھ نہ کرسکے تو بتاؤ اسلام لانے والے بنتے ہو؟

کفار کے ایک مغالطہ کی تردید

'من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا .... وباطل ما کانوا یعملون' اور آیت ۱۲ میں کفار کے اس طعنہ کا حوالہ گزر چکا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی بے سرو سامانی کو آپ کی رسالت کے خلاف بطور دلیل پیش کرتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جب ہم دنیوی اسباب و وسائل کے اعتبار سے ان سے بہتر حالت میں ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی نگاہوں میں بھی ہم ان سے بہتر ہیں، پھر ہم کو خدا کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈرانے کے کیا معنی؟ اگر ہم خدا کے مبغوض و مغضوب ہوتے تو کیا اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ یہ جوتیاں چٹخاتے پھرتے اور ہم عیش کرتے؟

پھر تو یہ ہونا تھا کہ یہ خزانے لٹاتے اور ہم ان کی جوتیاں سیدھی کرتے۔ ان دونوں آیتوں میں ان کے اسی مغالطے کا جواب دیا ہے۔ فرمایا کہ یہ دنیا اور اس کی زینتیں نیک اعمال کے صلہ کے طور پر نہیں ملتیں کہ جو نیک اعمال نہ کریں وہ ان سے محروم رہیں۔ یہ دنیا تو نیک اور بد دونوں کو ملتی ہے، البتہ جو دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں، آخرت کی جن کو کوئی پروا نہیں ہوتی ان کا سارا اکھاتا یہیں بے باق کر دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کے لئے دوزخ کے سوا کچھ نہیں بچ رہتا۔ چونکہ وہ کوئی کام آخرت کو مقصود بنا کر نہیں کرتے اس وجہ سے آخرت میں ان کے سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ دنیا آخرت کے بغیر مجرد باطل رہ جاتی ہے اور اس باطل کو مقصود قرار دے کر جو کچھ بھی کیا جاتا ہے سب باطل ہوتا ہے اگرچہ وہ بظاہر نیکی ہی کے کام کیوں نہ ہوں۔ یہ مضمون قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے۔ من كان يريد العاجلة عجلنا له فيها ما نشاء لمن نريد ثم جعلنا له جهنم يصلها مذموما مدحورا ۝ ومن اراد الأخرة وسعٰى لها سعيها وهو مومن فاولئك كان سعيهم مشكورا ۝ كلا نمد هٰؤلاء وهٰؤلاء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك محظورا ۝ ۱۸-۲۰ (جو دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں ہم ان کو یہیں دے دیتے ہیں جو دنیا چاہتے ہیں، پھر ہم نے ان کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ذلیل اور راندہ ہو کر پڑیں گے اور جو آخرت کے طالب بنتے ہیں اور ایمان و اخلاص کے ساتھ اس کے لئے اس کے شایان شان کوشش بھی کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی۔ ہم تیرے رب کی بخشش سے دونوں کو فیض یاب کرتے ہیں، ان کو بھی اور ان کو بھی اور تیرے رب کی بخشش کسی پر بھی بند نہیں ہے) ان آیات میں ’ما نشاء لمن نريد‘ کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ دنیا کے طالبوں کو بھی اتنا ہی ملتا ہے جتنا خدا چاہتا ہے اور انہی کو ملتا ہے جن کو خدا دینا چاہتا ہے، یہ نہیں کہ جو دنیا کا طالب بن جائے وہ جتنا چاہے سمیٹ لے۔ ان کے معاملے میں بھی جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی کے اختیار اور اسی کی حکمت کے تحت ہوتا ہے۔ اسی طرح ’وسعٰى لها سعيها وهو مومن‘ کے الفاظ یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ طلب آخرت بھی اللہ کے ہاں وہ معتبر ہے جو ایمان و اخلاص کے ساتھ ہو اور جس کے ساتھ آخرت کے شایان شان عملی جدوجہد بھی پائی جاتی ہو۔ اگر اس میں ریا اور شرک کی آلودگی شامل ہو، یا محض زبان کے پھاگ کے بل پر جنت کو جیتنے کے خواب دیکھے جا رہے ہوں تو ان لذیذ خوابوں کی خدا کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

افمن كان على بينة من ربه ويتلوه شاهد منه ومن قبله كتاب

موسیٰ اماما ورحمۃ ط اولئک یومنون بہ ط ومن یکفربہ من
الاحزاب فالنار موعدہ فلا تک فی مریۃ منہ انہ الحق
من ربک ولکن اکثرالناس لا یومنون ۱۷

منکرینِ قرآن کی اصل بیماری

اب یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جو لوگ قرآن سے گریز و فرار کے لئے یہ بہانے تراش رہے ہیں ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ ان کی فطرت کا نور بجھ چکا ہے اور جن کی فطرت کا نور بجھ چکا ہو وہ قرآن پر ایمان لانے والے نہیں بن سکتے۔ اس پر ایمان لانے والے وہی بنیں گے جن کی فطرت مسخ ہونے سے محفوظ ہو۔ وہ بے شک پہلے سے بنیادی حقائق کے باب میں اپنے اندر ایک دلیل و برہان رکھتے ہیں۔ پھر جب اس کے بعد اوپر سے بھی قرآن کی شکل میں ان کے سامنے ایک شہادت آ جاتی ہے تو وہ انہیں بعینہٖ اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ اپنے دل میں پا رہے ہیں اسی کی تائید و تصدیق اس آسمانی شاہد کی زبان سے بھی ہو رہی ہے۔

اس طرح کے استفہامیہ جملوں میں بعض اوقات مقابل جملہ حذف کر دیا جاتا ہے جو قرینہ سے سمجھا جاتا ہے۔ گویا پوری بات یوں ہوگی کہ کیا وہ لوگ جن کے سامنے یہ یہ روشنیاں ہیں اور وہ لوگ جو ان تمام روشنیوں سے محروم ہیں قرآن پر ایمان لانے کے معاملے میں یکساں ہوں گے ؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر ایمان وہی لوگ لائیں گے جو نورِ فطرت سے بہرہ مند ہیں اور اس امر سے بھی آشنا ہیں کہ اس سے پہلے اسی طرح کی کتاب ہدایت و رحمت بن کر موسیٰؑ پر بھی اتر چکی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے لئے قرآن بے شک ایک مانوس چیز ہے۔ وہ جب اس کو سنتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ اپنے صحیفۂ فطرت میں پا رہے تھے اسی کی تصدیق و تائید خدا کی طرف سے ایک شاہد کے ذریعہ سے بھی سامنے آ گئی۔ چنانچہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس کی مخالفت میں طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں ان کی محرومی کے اسباب خود ان کے اندر موجود ہیں۔ ان کی دل کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں، ان سے کسی خیر کی امید نہ رکھو۔

بیّنہ سے مراد نورِ فطرت ہے

'بیّنہ' کے معنی روشن دلیل اور واضح حجت کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، وہ نورِ فطرت ہے جو حق و باطل اور خیر و شر کے مبادی کے امتیاز کے لئے خدا نے خود ہمارے اندر ودیعت فرمایا ہے۔ جن کی فطرت خارج کے برے اثرات سے جتنی ہی محفوظ ہوتی ہے ان کے اندر یہ نور اتنا ہی قوی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرات انبیاء اس سے کامل طور پر بہرہ مند ہوتے ہیں۔ ان کا باطن

وحی کے نور سے منور ہونے سے پہلے بھی اس نور سے نورانی ہوتا ہے۔ ان کے لئے وحی کی حیثیت تاریکی پر روشنی کی نہیں بلکہ، جیسا کہ سورۂ نور میں ارشاد ہوا ہے ' نورٌ علیٰ نور ' یعنی روشنی پر روشنی کی ہوتی ہے۔ آگے اسی سورہ کی آیات ۲۸-۴۳-۸۸ میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں آیا ہے۔ عام لوگوں میں سے جو لوگ انبیاء کی دعوت قبول کرنے میں سبقت کرتے ہیں وہ بھی علیٰ فرق مراتب اس نور سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور جس کے اندر یہ نور جتنا ہی قوی ہوتا ہے وہ اسی اعتبار سے ان کی طرف سبقت بھی کرتا ہے اور اسی نسبت سے ان کا دست و بازو بھی بنتا ہے۔ اس کے بالکل برعکس حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنی شامت اعمال سے اس نور کو بجھا کر ظلمات بعضھا فوق بعض ' کے گرداب میں پھنس جاتے ہیں۔

ضمیروں کے باب میں ایک خاص اسلوب

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ اس طرح کے الفاظ کے معاملہ میں جن کی تانیث غیر حقیقی ہوتی ہے، یہ ضروری نہیں ہوا کرتا کہ ان کے لئے ضمیر لانے میں لفظ کے ظاہر کا لحاظ کیا جائے بلکہ ضمیر مذکر بھی لا سکتے ہیں اگر لفظ کا اصل مصداق مذکر ہو چنانچہ یہاں ' یتلوہ ' میں اس کے لئے ضمیر مذکر ہی آئی ہے اس لئے کہ اس سے مراد درحقیقت وہی چیز ہے جس کے لئے قرآن کے دوسرے مقامات میں ' نور ' ، ' برہان ' اور ' سلطان ' وغیرہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

' یتلوہ شاھد منہ ' تلا یتلو ' کے معنی یہاں کسی چیز کے بعد اور پیچھے آنے کے ہیں اور ' منہ ' میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس نے اپنے فضل سے پہلے تو ہماری فطرت کے اندر وہ سب کچھ ودیعت فرما دیا جس کی قرآن دعوت دیتا ہے۔ پھر اپنے مزید فضل سے اس نے لسان غیب کے ذریعے سے اس سارے ریکارڈ کو ہمیں سنا بھی دیا تاکہ کسی کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ ' شاھد ' سے مراد یہاں وہ وحی الٰہی ہے جس کا مظہر قرآن ہے جس کے لانے والے جبرائیل امین اور جس کے حامل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے ' شاھد ' سے جبرائیل امین کو مراد لیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بات صحیح ہے۔ وحی، قرآن، جبرائیل اور پیغمبر میں فرق صرف تعبیر کا ہے۔ خدا کے شاہد ہونے کے اعتبار سے ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے چنانچہ قرآن میں یہ لفظ ان سب کے لئے استعمال ہوا ہے۔

قرآن کے حق میں پہلی شہادت

' ومن قبلہ کتٰب موسیٰ اماما ورحمۃ ' یعنی پہلے کی شہادتوں میں سے یہ شہادت بھی قرآن کی تصدیق و تائید کے لئے ان کے سامنے موجود ہے کہ اسی طرح کی ایک کتاب، اسی طرح کی تعلیمات و ہدایات بلکہ اس کی اور اس کے حامل کی پیشین گوئیوں کے ساتھ اس سے پہلے امام اور رحمت بن کر

موسیٰؑ پر بھی اتر چکی ہے۔ 'امام' اور 'رحمت' کے الفاظ یہاں اسی طرح آئے ہیں جس طرح بعض دوسرے مقامات میں 'ھدی' اور 'رحمت' کے الفاظ آئے ہیں یہاں 'ھدی' کے مفہوم کو 'امام' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے کہ رہنمائی کا مضمون دونوں لفظوں کے اندر یکساں موجود ہے۔ ہم نے دوسرے مقام میں ان دونوں لفظوں کی تشریح کی ہے کہ یہ آغاز و انجام کے اعتبار سے استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کتاب اس دنیا میں صراط مستقیم کی طرف ہدایت و رہنمائی ہے اور جو لوگ اس ہدایت و رہنمائی کو قبول کر لیں ان کیلئے آخرت میں ابدی فضل و رحمت کا پیش خیمہ۔

ایک لطیف اشارہ یہود کی طرف

یہاں ایک لطیف اشارہ بھی قابل توجہ ہے۔ اس سورہ میں مخاطب چونکہ اصلاً قریش ہیں اس وجہ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے لئے کتاب موسیٰ کی نظیر کچھ زیادہ موثر نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ قریش اول تو مذہبی علم و فضل کے اعتبار سے اہل کتاب کے معترف تھے ثانیاً یہاں قرآن ایک ہلکا سا اشارہ ان یہود کی طرف بھی کر دینا چاہتا ہے جن کو ایک 'امام و رحمت' کتاب کے حامل ہونے کے سبب سے قرآن کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والا بننا تھا لیکن وہ سبقت کرنے کے بجائے اندر اندر اس کی مخالفت کے لئے سازشوں کی تیاریاں کر رہے تھے۔ قرآن نے ایک نہایت لطیف اشارے کی شکل میں ان کو توجہ دلا دی کہ ان کے مرتبہ و مقام کا تقاضا کیا ہے اور اگر انہوں نے اس کے خلاف کیا تو وہ اپنے آپ کو کس گڑھے میں گرائیں گے۔

'اولئک یومنون بہ' میں حصر کا مضمون پایا جاتا ہے یعنی یہی لوگ جن کی خصوصیات اوپر بیان ہوئیں قرآن پر ایمان لائیں گے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ جو لوگ قرآن کی مخالفت کر رہے ہیں ان خصوصیات سے محروم ہیں۔ چونکہ یہ بات کلام کے سیاق سے واضح تھی اس وجہ سے حذف کر دی گئی۔

'ومن یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ' 'احزاب' کے لفظ میں ذرا وسعت ہے۔ قرآن نے اپنے سامنے کے مخالفین کے ساتھ ساتھ ان مخالفین کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ کر دیا ہے جو ابھی اس مرحلے تک تو اگرچہ پردے کے پیچھے تھے لیکن بعد کے مراحل میں نہایت خطرناک دشمن بن کر سامنے آئے یعنی اہل کتاب۔

خطاب پیغمبر سے خطاب دوسروں کی طرف

'فلا تک فی مریۃ منہ انہ الحق من ربک ولکن اکثر الناس لا یومنون' یہ خطاب اگرچہ عام بھی ہو سکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے البتہ اس طرح کے جملوں میں جو عتاب ہوتا ہے اس کا رخ، جیسا کہ ہم دوسرے مقامات میں واضح کر چکے ہیں، مخالفین

کی طرف ہوتا ہے، لیکن وہ لائق التفات نہیں رہ جاتے۔ اس وجہ سے ان کو خطاب کرکے بات براہ راست کہنے کے بجائے پیغمبر کو خطاب کرکے کہہ دی جاتی ہے۔ زجر و ملامت کا یہ اسلوب بسا اوقات براہ راست زجر و تنبیہہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ قرآن میں اس کی نہایت دل آویز مثالیں موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ شامت زدہ لوگ اس واضح حقیقت کو جھٹلا رہے ہیں تو جھٹلائیں۔ ان کی اس روش سے تم کسی الجھن میں نہ پڑو۔ یہی حقیقت ہے اور یہ تمہارے رب کی طرف سے ہے لیکن اکثر لوگ اپنی بدبختی کے سبب سے ایمان نہیں لائیں گے۔

یہ مضمون سورۂ رعد کی آیت ۱۹ میں بھی بیان ہوا ہے۔ وہاں انشاء اللہ ہم اس کی مزید وضاحت کریں گے۔ سورۂ یونس کی آیات ۹۴-۹۵ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجیے۔

قریش کی بدبختی پر اظہار افسوس

'ومن اظلم ممن افترٰی علی اللّٰہ کذبا ... وھم بالاٰخرۃ ھم کافرون ۱۸-۱۹'
یہی مضمون بعینہٖ اسی سیاق و سباق کے ساتھ سورہ یونس کی آیات ۱۷-۱۸ میں گزر چکا ہے وہاں تشریح ہے کہ قریش کو قرآن سے سب سے زیادہ چڑ اس کی دعوت توحید سے ہے وہ اپنے دیوتاؤں کی مذمت سن کر آگ بگولا ہو جاتے اور پھر اس کے خلاف جو کچھ منہ میں آجاتا وہ بک ڈالتے۔ قرآن نے یہاں ان کے اسی اصل محرک مخالفت کو سامنے رکھ کر ان کی بدبختی اور محرومی پر افسوس کیا ہے کہ ان سے بڑھ کر بدقسمت اور اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والا کون ہو سکتا ہے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا، 'اللہ پر جھوٹ باندھا' یعنی اللہ کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش کی اور ان کے متعلق بالکل جھوٹ موٹ، بلا کسی سند اور دلیل کے، یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے ان کو اپنا شریک بنایا ہے اور ان کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہ سب سے بڑی بدقسمتی اس وجہ سے ہے کہ یہی چیز ان کی ابدی محرومی کا باعث ہوگی جب کہ قیامت کے دن ان کے سامنے یہ راز کھلے گا کہ جن کی انہوں نے زندگی بھر عبادت کی اور جن کی حمیت و حمایت میں اللہ کی کتاب کو جھٹلایا وہ سب ہوا ہو گئے اور معاملہ تنہا خدائے واحد و قہار سے پڑا۔

'ویقول الاشھاد ھٰؤلاء الذین کذبوا علی ربھم' یہ شہادت انبیاء کی بھی ہو سکتی ہے اس لئے کہ قرآن میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی سے امت پر قیامت کے دن گواہی دلوائے گا کہ اس نے ان کو کیا تعلیم دی تھی اور انہوں نے اس میں کیا بگاڑ پیدا کیا، ان ہستیوں کی بھی ہو سکتی ہے جن کو معبود بنا کر پوجا گیا۔ حالانکہ نہ انہوں نے اس کا حکم دیا اور نہ انہیں اس کی خبر

موسیٰؑ پر بھی اتر چکی ہے۔ 'امام' اور 'رحمت' کے الفاظ یہاں اسی طرح آئے ہیں جس طرح بعض دوسرے مقامات میں 'ھدی' اور 'رحمت' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں 'ھدی' کے مفہوم کو 'امام' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے کہ رہنمائی کا مضمون دونوں لفظوں کے اندر یکساں موجود ہے۔ ہم نے دوسرے مقام میں ان دونوں لفظوں کی تشریح کی ہے کہ یہ آغاز و انجام کے اعتبار سے استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کتاب اس دنیا میں صراط مستقیم کی طرف ہدایت و رہنمائی ہے اور جو لوگ اس ہدایت و رہنمائی کو قبول کر لیں ان کیلئے آخرت میں ابدی فضل و رحمت کا پیش خیمہ۔

یہاں ایک لطیف اشارہ بھی قابل توجہ ہے۔ اس سورہ میں مخاطب چونکہ اصلاً قریش ہیں اس وجہ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے لئے کتاب موسیٰ کی نظیر کچھ زیادہ موثر نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ قریش اول تو مذہبی علم و فضل کے اعتبار سے اہل کتاب کے معترف تھے ثانیاً یہاں قرآن ایک ہلکا سا اشارہ ان یہود کی طرف بھی کر دینا چاہتا ہے جن کو ایک 'امام و رحمت' کتاب کے حامل ہونے کے سبب سے قرآن کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والا بننا تھا لیکن وہ سبقت کرنے کے بجائے اندر اندر اس کی مخالفت کے لئے سازشوں کی تیاریاں کر رہے تھے۔ قرآن نے ایک نہایت لطیف اشارے کی شکل میں ان کو توجہ دلا دی کہ ان کے مرتبہ و مقام کا تقاضا کیا ہے اور اگر انہوں نے اس کے خلاف کیا تو وہ اپنے آپ کو کس گڑھے میں گرائیں گے۔

ایک لطیف اشارہ یہود کی طرف

'اولئک یومنون بہ' میں حصر کا مضمون پایا جاتا ہے یعنی یہی لوگ جن کی خصوصیات اوپر بیان ہوئیں قرآن پر ایمان لائیں گے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ جو لوگ قرآن کی مخالفت کر رہے ہیں ان خصوصیات سے محروم ہیں۔ چونکہ یہ بات کلام کے سیاق سے واضح تھی اس وجہ سے حذف کر دی گئی۔

'ومن یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ' 'احزاب' کے لفظ میں ذرا وسعت ہے۔ قرآن نے اپنے سامنے کے مخالفین کے ساتھ ساتھ ان مخالفین کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ کر دیا ہے جو ابھی اس مرحلے تک تو اگرچہ پردے کے پیچھے تھے لیکن بعد کے مراحل میں نہایت خطرناک دشمن بن کر سامنے آئے یعنی اہل کتاب۔

'فلا تک فی مریۃ منہ انہ الحق من ربک ولکن اکثر الناس لا یومنون' یہ خطاب اگرچہ عام بھی ہو سکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے البتہ اس طرح کے جملوں میں جو عتاب ہوتا ہے اس کا رخ، جیسا کہ ہم دوسرے مقامات میں واضح کر چکے ہیں، مخالفین

خطاب پیغمبر سے عتاب دوسروں کو

کی طرف ہوتا ہے، لیکن وہ لائق التفات نہیں رہ جاتے۔ اس وجہ سے ان کو خطاب کرکے بات براہ راست کہنے کے بجائے پیغمبر کو خطاب کرکے کہہ دی جاتی ہے۔ زجر و ملامت کا یہ اسلوب بسا اوقات براہ راست زجر و تنبیہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ قرآن میں اس کی نہایت دل آویز مثالیں موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ شامت زدہ لوگ اس واضح حقیقت کو جھٹلا رہے ہیں تو جھٹلائیں۔ ان کی اس روش سے تم کسی الجھن میں نہ پڑو۔ یہی حقیقت ہے اور یہ تمہارے رب کی طرف سے ہے لیکن اکثر لوگ اپنی بدبختی کے سبب سے ایمان نہیں لائیں گے۔

یہ مضمون سورۂ رعد کی آیت ۱۹ میں بھی بیان ہوا ہے وہاں انشاء اللہ ہم اس کی مزید وضاحت کریں گے۔ سورۂ یونس کی آیات ۹۴ - ۹۵ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پہ بھی ڈال لیجئے۔

مشرکین کی بدبختی پر اظہار افسوس

'ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا ... وھم بالاٰخرۃ ھم کافرون ۱۸-۱۹'

یہی مضمون بعینہٖ اسی سیاق و سباق کے ساتھ سورہ یونس کی آیات ۱۷، ۱۸ میں گزر چکا ہے وہاں تشریح ہے کہ قریش کو قرآن سے سب سے زیادہ چڑ اس کی دعوت توحید سے ہے وہ اپنے دیوتاؤں کی مذمت سن کر آگ بگولا ہو جاتے اور پھر اس کے خلاف جو کچھ منہ میں آ جاتا وہ بک ڈالتے۔ قرآن نے یہاں ان کے اسی اصل محرک مخالفت کو سامنے رکھ کر ان کی بدبختی اور محرومی پہ افسوس کیا ہے کہ ان سے بڑھ کر بدقسمت اور اپنی جانوں پہ ظلم ڈھانے والا کون ہو سکتا ہے جنہوں نے اللہ پہ جھوٹ باندھا، 'اللہ پہ جھوٹ باندھا' یعنی اللہ کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش کی اور ان کے متعلق بالکل جھوٹ موٹ، بلا کسی سند اور دلیل کے، یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے ان کو اپنا شریک بنایا ہے اور ان کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہ سب سے بڑی بدقسمتی اس وجہ سے ہے کہ یہی چیز ان کی ابدی محرومی کا باعث ہوگی جب کہ قیامت کے دن ان کے سامنے یہ راز کھلے گا کہ جن کی انہوں نے زندگی بھر عبادت کی اور جن کی حمیت و حمایت میں اللہ کی کتاب کو جھٹلایا وہ سب ہوا ہو گئے اور معاملہ تنہا خدائے واحد و قہار سے پڑا۔

ویقول الاشھاد ھٰؤلاء الذین کذبوا علی ربھم' یہ شہادت انبیاء کی بھی ہو سکتی ہے اس لئے کہ قرآن میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی سے امت پہ قیامت کے دن گواہی دلوائے گا کہ اس نے ان کو کیا تعلیم دی تھی اور انہوں نے اس میں کیا بگاڑ پیدا کیا، ان ہستیوں کی بھی ہو سکتی ہے جن کو معبود بنا کر پوجا گیا۔ حالانکہ نہ انہوں نے اس کا حکم دیا اور نہ انہیں اس کی خبر

ہوئی اور ان فرشتوں کی بھی ہو سکتی ہے جو ہر شخص کے سارے اعمال کا ریکارڈ رکھتے ہیں اور قیامت کے دن یہ سارا ریکارڈ سامنے آئے گا۔

'الا لعنۃ اللہ علی الظلمین' یہ وہ منادی ہے جو گواہوں کی گواہی کے بعد ان مشرکین پر لعنت کے لئے کی جائے گی اور یہ لعنت ان کے لئے آخرت کی تمام مصیبتوں کا فتح باب ہوگی۔

'الذین یصدون عن سبیل اللہ و یبغونہا عوجا و ھم بالاخرۃ ھم کافرون' یہ ان 'ظالمین' کی مزید صفات بیان کر دی گئیں تاکہ کلام مطابق حال بھی ہو جائے اور ان کے وہ جرائم بھی سامنے آجائیں جو اس لعنت کے موجب ہوں گے۔ ان کا ایک جرم تو یہ ہے کہ انہوں نے دیدہ و دانستہ، حقیقت کے واضح ہونے کے باوجود، لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا اور دوسرا جرم یہ ہے کہ اس راستہ کو کج کرنے کی کوشش کی۔ بندوں کے لئے خدا تک پہنچنے کی راہ بالکل ہموار و مستقیم ہے۔ اس میں کچھ پیچ اور پگڈنڈیاں نہیں ہیں۔ بندہ اس راہ پر چلے تو براہ راست اپنے رب سے تعلق پیدا کر لیتا ہے لیکن ان ظالموں نے اس راہ میں بہت سے اڑنگے ڈال دیئے۔ قدم قدم پہ انہوں نے اس کا رخ مختلف تھانوں، استھانوں، دیویوں اور دیوتاؤں کی طرف موڑ دیا اور اس طرح لوگوں کو اصل شاہراہِ توحید سے ہٹا کر گلیوں اور کوچوں میں ڈال دیا۔

'وھم بالآخرۃ ھم کافرون' میں مبتدا کے اعادے سے مقصود اس پہ زور دینا ہے یعنی آخرت کے اصلی منکر یہی ہیں۔ اوّل تو انہوں نے خلق کو اللہ کے راستہ سے روکنے کی کوشش کی اور یہ جسارت آخرت سے بالکل بے پروا ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرے شرک بجائے خود آخرت کی نفی ہے اس لئے کہ شرکاء و شفعاء جب اپنے پجاریوں کو بہرحال بخشوا ہی لیں گے خواہ ان کے عقائد و اعمال کچھ ہی ہوں، تو آخرت کا ہونا نہ ہونا دونوں یکساں ہوا۔ آخرت کو صرف مان لینا مطلوب نہیں ہے بلکہ یہ ماننا ضروری ہے کہ وہ ہر ایک کے لئے بے لاگ انصاف کا دن ہوگا اور خدا کے آگے اس دن کسی کا زور نہیں چلے گا۔

'اولئک لم یکونوا معجزین فی الارض وما کان لھم من دون اللہ من اولیاء یضاعف لھم العذاب ط ما کانوا یستطیعون السمع وما کانوا یبصرون ۲۰' یعنی دنیا میں اللہ نے ان کو جو مہلت دی تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ خدا کے قابو سے باہر تھے بلکہ یہ اس کی ڈھیل تھی کہ وہ توبہ اور اصلاح کرنا چاہیں تو توبہ اور اصلاح کر لیں ورنہ اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لیں۔ ان کا یہ زعم بھی بالکل بے حقیقت تھا کہ ان کے کچھ اولیا اور مددگار ہیں جو خدا کی پکڑ سے

ان کو بچا سکتے ہیں۔ اب سارے حقائق ان کے سامنے آ گئے۔ اب یہ اپنے کئے کی سزا بھگتیں گے اور چونکہ یہ خدا کی راہ سے صرف خود ہی نہیں رکے بلکہ دوسروں کو بھی روکنے والے بنے اس وجہ سے یہ دوہرے عذاب کے سزاوار ٹھہریں گے۔ 'ما کانوا یستطیعون السمع وما کانوا یبصرون' یعنی نفرت اور بیزاری کی شدت کے سبب سے نہ تو یہ اللہ اور رسول کی باتیں سننے ہی کے لئے تیار ہوتے تھے اور نہ محبت دنیا کا پردہ اللہ کی نشانیاں دیکھنے کے لئے ان کی آنکھیں ہی کھلنے دیتا تھا۔

'اولٰئک الذین خسروا انفسھم وضل عنھم ما کانوا یفترون ○ لاجرم انھم فی الاخرۃ ھم الاخسرون' ۲۱-۲۲۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اس طرح اپنی صلاحیتیں برباد کیں انہوں نے اپنے آپ کو خود اپنے ہی ہاتھوں برباد کیا۔ اور جن کی مدد اور شفاعت کے اعتماد پر یہ خطرناک کھیل کھیلے ان میں سے کوئی ان کے کام آنے والا نہ بنے گا اس لئے کہ خدا پر افترا کر کے محض اپنے ذہن سے جو خیالی معبود انہوں نے گھڑے وہ سب بے حقیقت ثابت ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ آخرت کی نامرادی ایسے ہی عقل و بصیرت سے محروم لوگوں کے حصے میں آئے گی۔

اہل ایمان کے فضائل

'ان الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت واخبتوا الٰی ربھم ... الایۃ' اب یہ کفار و مشرکین کے مقابل گروہ یعنی اہل ایمان کے انجام کا ذکر ہے۔ 'واخبتوا الٰی ربھم' کے معنی 'اطمانوا الی اللہ وتخشعوا امامہ' کے ہیں یعنی ہر ایک سے کٹ کر اپنے رب کی طرف پوری دلجمعی اور کامل یکسوئی کے ساتھ وہ جھک پڑے۔ اوپر مشرکین کا حال تو یہ بیان ہوا ہے کہ وہ اپنے کبر و غرور کے سبب سے نہ اپنے کان ہی کھولنے کے لئے تیار ہوتے نہ اپنی آنکھیں ہی۔ لیکن ان لوگوں نے ایمان و عمل صالح کی روش اختیار کی اور خلق اللہ کو اللہ کی صراط مستقیم سے ہٹانے اور اس کو مختلف وادیوں میں ہرزہ گردی کرانے کے بجائے پوری یکسوئی و فروتنی کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے خالق و پروردگار کے آگے ڈال دیا۔ فرمایا کہ یہی لوگ جنت کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ایک مرتبہ اس میں داخل ہو جانے کے بعد پھر اس سے کبھی محروم نہیں ہوں گے۔

'مثل الفریقین کالاعمٰی والاصم والبصیر والسمیع ھل یستویان مثلا ○ افلا تذکرون' ۲۴۔ اوپر کفار کی حالت بیان ہو چکی ہے کہ 'ما کانوا یستطیعون السمع وما کانوا یبصرون'، کہ ان کے ہوش کے کان اور ان کی بصیرت کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ اس وجہ سے وہ قرآن کو سننے اور اللہ کی نشانیوں کے مشاہدہ سے محروم رہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان نے اپنی

آنکھیں بھی کھلی رکھیں اور اپنے کان بھی۔ فرمایا کہ ان دونوں گروہوں کی تمثیل یہ ہے کہ ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا بینا اور شنوا تو دونوں کا رویہ قرآن کے باب میں ایک سا کس طرح ہو سکتا ہے؟ قرآن کی دعوت سر تا سر عقل و بصیرت پر مبنی ہے اس پر ایمان وہی لوگ لائیں گے جن کے کان اور دل کھلے ہوں اور جنہوں نے بخشی ہوئی فطری صلاحیتیں اپنی محفوظ رکھی ہوں۔

خالص قرآن حکیم کی بنیاد پر ایک جدید علم کلام کی تاسیس کی سعیِ بلیغ

ایمان باللہ، کے علمی اور عملی پہلوؤں پر قرآن مجید کی روشنی میں محققانہ مباحث

مولانا امین احسن اصلاحی

کا تالیفی شاہکار

حقیقتِ دین

مشتمل بر

حقیقتِ شرک، حقیقتِ توحید، حقیقتِ تقویٰ اور حقیقتِ نماز

۱۸ × ۲۲/۸ سائز پر، عمدہ دبیز آفسٹ پیپر پر آفسٹ کی طباعت میں
۴۳۲ صفحات۔ مضبوط اور پائیدار جلد اور خوشنما ڈسٹ کور کیساتھ
قیمت فی نسخہ -/۱۲ روپے (محصولڈاک علاوہ)

شائع کردہ:

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

بحث و نظر

حروفِ مقطّعات

جناب غلام احمد تسخیر، بی اے، ایل ایل بی

ذیل کی تحریر محترمی غلام احمد صاحب نے ۱۹۵۹ء میں مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہٗ کی خدمت میں ارسال کی تھی۔ مولانا نے اس کے جواب میں جو خط تسخیر صاحب کو تحریر فرمایا تھا اور جسے انہوں نے تاحال تبرکاً سنبھال کر رکھا ہوا ہے اس میں مولانا نے یہ حوصلہ افزا کلمات بھی تحریر فرمائے تھے:-

" اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ قرآن مجید سے اتنی دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس ذوق میں برکت دے۔

آپ نے حروف مقطعات پر جو رائے دی ہے اگرچہ میں اس سے متفق نہیں ہو سکا لیکن اس بات سے خوشی ہوئی کہ آپ نے اس مسئلہ کے بعض اہم پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں نے آپ کا پورا مضمون غور سے پڑھا اور سمجھنے کی کوشش کی ہے . . . "

حروف مقطعات کا معاملہ واقعتہً نہایت اہم بھی ہے اور پیچیدہ بھی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اُس کی حکمت میں اس سربستہ راز سے پردہ اٹھنا کب مقدر ہے —— مدیر

ماہنامہ 'میثاق' بابت ۵۹ء میں قرآن حکیم کے حروف مقطعات پر ایک بحث نظر سے گزری تھی جو جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے تحریر فرمائی تھی۔ وہی بحث حال میں مولانا موصوف کی بلند پایہ تفسیر " تدبر قرآن " کی پہلی جلد میں پڑھی۔ اس خصوص میں مولانا محترم کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف سورتوں کے نام ہیں کیونکہ یہ جس سورہ میں بھی آتے ہیں بالکل شروع میں اس طرح آتے ہیں جس طرح کتابوں، فصلوں اور ابواب کے شروع میں ان کے نام آیا کرتے ہیں اور یہ کہ قرآن نے جگہ جگہ ذٰلِكَ اور تِلْكَ کے ذریعہ سے ان کی طرف اشارہ کر کے ان کے نام

ہونے کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے۔ نیز یہ کہ حدیثوں سے بھی ان کا نام ہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔
مولانا موصوف نے اپنی اس رائے کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ ان ناموں کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنا بڑا مشکل ہے اور یہ کہ ان حروف پر ہمارے پچھلے علما نے جو رائیں ظاہر کی ہیں وہ کسی مضبوط بنیاد پر مبنی نہیں۔ اس وجہ سے مولانا نے اپنی مذکورہ تصنیف میں ان علما میں سے کسی کی رائے کا ذکر نہیں فرمایا۔ البتہ انہوں نے اس سلسلے میں مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو کسی قدر قابل لحاظ سمجھ کر اجمالاً پیش فرمایا ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اگرچہ مولانا فراہی صاحب کی تحقیق سے بھی اصل مسئلہ حل نہیں ہوتا لیکن اس حل کے لئے ایک راہ کھلتی ضرور نظر آتی ہے۔ مولانا فراہی صاحب کی تحقیق کے بارے میں بھی مولانا اصلاحی صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ یہ تحقیق بھی ان کے نزدیک صرف ایک نظریہ کی حیثیت رکھتی ہے اور جب تک تمام حروف مقطعات کے معانی کی تحقیق ہو کر ہر پہلو سے ان ناموں اور ان سے موسوم سورتوں کی مناسبت واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر ایک نظریہ سے زیادہ اعتماد کر لینا صحیح نہ ہوگا۔

مولانا فراہی صاحب کی جو تحقیق حروف مقطعات کے ضمن میں "تدبر قرآن" میں شائع ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ عربی رسم الخط کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ عربی زبان کے حروف عبرانی زبان سے لئے گئے ہیں اور عبرانی کے یہ حروف ان حروف سے ماخوذ ہیں جو عرب قدیم میں رائج تھے۔ عرب قدیم کے ان حروف کے متعلق مولانا فراہی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ انگریزی اور ہندی کے حروف کی طرح صرف آواز ہی نہیں بتاتے تھے بلکہ یہ چینی زبان کے حروف کی طرح معانی اور اشیاء پر بھی دلیل ہوتے تھے اور جن معانی یا اشیا پر وہ دلیل ہوتے تھے عموماً انہی کی صورت و ہیئت پر لکھے بھی جاتے تھے۔ مثلاً الف کے متعلق معلوم ہے کہ وہ بچھڑے کے معنی بتاتا تھا اور بچھڑے کے سر کی صورت ہی پر لکھا جاتا تھا یا "ط" سانپ کے معنی میں آتا تھا اور لکھا بھی کچھ سانپ ہی کی شکل پر جاتا تھا۔ "م" پانی کی لہر پر دلیل ہوتا تھا اور اس کی شکل بھی لہر سے ملتی جلتی بنائی جاتی تھی۔ مولانا فراہی صاحب نے اپنے نظریہ کی تائید میں سورہ "ن" کو پیش فرمایا ہے ان کا خیال ہے کہ حرف "ن" اب بھی اپنے قدیم معنی ہی میں بولا جاتا ہے اس کے معنی مچھلی کے ہیں اور جو سورہ اس نام سے موسوم ہوئی ہے اس میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر "صاحب الحوت" (مچھلی والے) کے نام سے آیا ہے۔ مولانا موصوف اس نام کو پیش کر کے فرماتے ہیں کہ اس سے ذہن قدرتی طور پر اس طرف جاتا ہے کہ اس سورہ کا نام "نون" (ن) اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس میں صاحب الحوت

(یونس علیہ السلام) کا واقعہ بیان ہوا ہے جن کو مچھلی نے نگل لیا تھا۔ پھر کیا عجب ہے کہ بعض دوسری سورتوں کے شروع میں جو حروف آئے ہیں وہ بھی اپنے قدیم معانی اور سورتوں کے مضامین کے درمیان کسی مناسبت ہی کی بنا پر آئے ہوں۔ مولانا اصلاحی صاحب نے مزید یہ تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی بعض اور سورتوں کے ناموں سے بھی مولانا کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حرف "ط" کے معنی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے سانپ کے تھے اور اس کے لکھنے کی ہیئت بھی سانپ کی ہیئت سے ملتی جلتی ہوتی تھی۔ اب قرآن میں سورہ "طٰہٰ" کو دیکھئے جو "ط" سے شروع ہوتی ہے اس میں ایک مختصر تمہید کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی لٹھیا کے سانپ بن جانے کا قصہ بیان ہوتا ہے اسی طرح طسم، طس وغیرہ بھی ط سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لٹھیا کے سانپ کی شکل اختیار کر لینے کا معجزہ مذکور ہے۔ "الف" گائے کے سر کی ہیئت پر لکھا بھی جاتا تھا اور گائے کے معنی بتاتا بھی تھا۔ اس کے دوسرے معنی اللہ واحد کے ہوتے تھے اب قرآن مجید میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سورہ بقرہ میں جس کا نام الف سے شروع ہوتا ہے گائے کے ذبح کا قصہ بیان ہوا ہے۔ دوسری سورتیں جن کے نام الف سے شروع ہوئے ہیں توحید کے مضمون میں مشترک نظر آتی ہیں۔ یہ مضمون ان میں خاص اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے ان ناموں کا یہ پہلو بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن سورتوں کے نام ملتے جلتے ہیں ان کے مضامین بھی ملتے جلتے ہیں بلکہ بعض سورتوں میں تو اسلوب بیان تک ملتا جلتا ہے۔

میں قرآن کا طالب علم بس اس حد تک ہوں کہ اردو کے تراجم اور تفاسیر سے اپنے فہم کی حد تک قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اس بے بضاعتی کے باوجود موضوع زیر بحث کے ضمن میں چند گزارشات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اور حروف مقطعات کے بارے میں جو خیال ایک عام سوچنے والے ذہن کو لاحق ہوتا ہے اس کا جو حل میری ناقص سمجھ میں آیا ہے وہ بیان کرتا ہوں۔

یہ درست ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن کے حروف مقطعات سے مجمل بنا کر ان کی جو توجیہہ کی ہے، اس سے قلب و دماغ مطمئن نہیں ہوتے مثلاً الٓمٓ سے انا اللہ اعلم کا جملہ بنایا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اس جملے کے تینوں الفاظ سے پہلے لفظ کا پہلا حرف یعنی "ا" دوسرے لفظ کا بیچ کا حرف یعنی "ل" اور تیسرے لفظ کا آخری حرف یعنی "م" لے کر انا اللہ اعلم کو اختصار کے طور پر قرآن میں الٓمٓ کی صورت میں نازل فرما دیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے مقطعات سے بھی جملے بنا کر ان کے معنی کی توجیہہ و تشریح کی گئی ہے لیکن یہ طریق ظاہر ہے کہ کسی مضبوط بنیاد پر قائم معلوم نہیں ہوتا

کیونکہ یا تو عربی زبان میں اس طرح سے حروف کے جملے بنانے کا کوئی مقررہ، واضح اور مسلّم قاعدہ رائج ہو جس کی بنا پر ہر عربی دان حروف مقطعات کے لازماً ایک ہی معنے سمجھے اور ایسے حروف سے ہر شخص لازماً ایک سے ہی جملے بنائے ورنہ یہ ساری کوشش محض تُک بندی اور اٹکل کے تیر تکے چلانے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتی اور معترض کہہ سکتا ہے کہ کسی مقررہ قاعدہ کی عدم موجودگی میں "ال م" سے مندرجہ بالا ہی جملہ کیوں بنایا جائے اور کوئی ایسا فقرہ کیوں نہ بنایا جائے جس کے تینوں الفاظ کے پہلے حروف "ال" اور "م" ہوں یا اس قاعدے کے بھی برعکس کسی اور طریقہ پر کوئی جملہ کیوں نہ بنایا جائے علاوہ ازیں بعض علمائے دوسرے طریقوں سے بھی توجیہہ کی ہے لیکن وہ جیسا کہ مولانا اصلاحی صاحب نے فرمایا ہے کسی مضبوط بنیاد پر مبنی نہیں، میرے خیال ناقص میں مولانا فراہی صاحب نے جو نقطہ نظر پیش فرمایا ہے اس میں بھی کچھ ایسی گہرائی یا معنی آفرینی نہیں جو قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت اور اس کے پُر از حکمت مضامین کے شایان شان ہو۔ گذارش یہ ہے کہ اگر حرف "ن" مچھلی کی شکل پر لکھا جاتا ہے اور مچھلی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو پھر سورہ "ن" کے متعلق جس میں صاحب الحوت (مچھلی والے) کا ذکر آیا ہے یہ تصور کرنے سے کہ اس سورہ کا نام "ن" اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں صاحب الحوت کا ذکر آیا ہے اس سورہ مبارکہ کے کون سے رموز و حقائق کھلتے ہیں اور اس نام کے تجویز کئے جانے سے اس سورہ میں دی گئی ہدایت کی طرف رہنمائی میں کیا اضافہ ہوتا ہے اور اگر حرف "نون" اور صاحب الحوت کے لفظوں میں جس مناسبت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اُسے نظر انداز کر دیا جائے تو اس سورہ کے مضمون میں کیا کمی واقع ہوتی ہے۔ یہی حال ان دیگر حروف مقطعات کی تفسیر کا ہے جن کا ذکر "تدبّر قرآن" میں ہے اور جن میں سے بعض کی طرف اُوپر بھی اشارہ ہو چکا ہے۔

حروف مقطعات اگر کسی سورہ کے نام کے طور پر استعمال ہوتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایسا نام رکھنے سے سورہ متعلقہ کے حقائق و معارف کی طرف اشارہ کیا جائے یا اس نام اور اس سورہ کے مضامین میں کوئی ایسی مناسبت پیدا کی جائے جس کا اوپر ذکر آیا ہے بلکہ بعض سورتوں کے متن میں (خواہ وہ متن کی ابتدا ہی میں کیوں نہ ہو) چونکہ حروف مقطعات آئے ہیں اس لئے اُن میں سے بعض کا نام محض اسی طرح حروف مقطعات پر رکھ دیا گیا ہے جس طرح اور سورتوں کے بیچ سے کوئی لفظ لے کر اُس کو بطور نام استعمال فرمایا گیا ہے اور نام رکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک سورہ کو دوسری سورہ سے ممیّز کیا جا سکے اور کسی سورہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہم صرف اُس سورہ کے نام کو استعمال کر سکیں۔ کسی لفظ کو سورہ متعلقہ کے نام کی حیثیت سے منتخب کرنے سے

یہ مدعا نہیں کہ اس نام سے سورہ متعلقہ کے موضوع کے بارے میں کوئی مدد لی جائے یا سورہ اور اس کے نام میں کوئی اور مناسبت تلاش کی جائے۔ حروف مقطعات کے سورتوں کے بالکل شروع میں اس طرح آنے سے بھی جس طرح کتابوں، فصلوں اور ابواب کے شروع میں ان کے نام آیا کرتے ہیں یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں جن سورتوں کے شروع میں مقطعات آئے ہیں وہ سب سورتیں لازماً حروف مقطعات کے نام ہی سے موسوم ہونی چاہئیں تھیں جو نہیں ہیں۔ کسی ایسی سورہ کے جس کے شروع میں حروف مقطعات آئے ہیں کسی دیگر نام سے موسوم اور معروف ہو جانے میں قباحت لازم آتی ہے اس لئے کہ اگر مولانا فراہی صاحب کے نظریہ کے مطابق حروف مقطعات کو متعلقہ سورتوں سے کوئی ایسی مناسبت ہے جو انہوں نے بعض مقطعات کے معنی بیان کرنے سے متعین کی ہے تو پھر کسی مقطعات والی سورہ کا نام ان مقطعات کی بجائے کسی اور ایسے لفظ پر رکھ دینے سے جو اس سورہ میں وارد ہوا ہے اس سورہ اور اس کے نام میں وہ مناسبت اور معنوی ربط کہاں باقی رہے گا۔ مثال کے طور پر سورہ رعد کی ابتدا میں الٓمٓرٰ کے حروف آئے ہیں مگر یہ سورہ رعد کے نام سے موسوم ہے اور وہ اس وجہ سے کہ اس سورہ کے متن میں لفظ رعد آیا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ الٓمٓرٰ اور مذکورہ سورہ میں کوئی مخفی مناسبت یا ربط ہے تو پھر الٓمٓرٰ کی بجائے اس سورہ کا نام کسی ایسے لفظ پر رکھ دینا جو بس اس سورہ میں وارد ہوا ہے کیسے درست ہو سکتا ہے ایک موزوں تر نام کی بجائے صرف موزوں نام سے کسی سورہ کا موسوم ہونا تو اس حفاظت کے بھی خلاف معلوم ہوتا ہے جس کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق لیا ہے۔ اس بحث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حروف مقطعات کا سورتوں کی ابتدا میں ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ ان کے نام ہیں۔ صرف وہی حروف مقطعات سورتوں کے نام کی حیثیت رکھتے ہیں جو فی الحقیقت نام کی حیثیت سے ہی معروف ہیں اور وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ متعلقہ سورتوں میں وارد ہوئے ہیں نہ کہ اس لئے کہ ان حروف اور ان سورتوں میں کوئی معنوی ربط ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ان حروف کے معانی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کوئی ارشاد احادیث و آثار میں نہ پایا جاتا۔

بات یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت چونکہ عرب کے ادبا اپنی تحریروں کے آغاز میں مقطعات لکھتے تھے اس لئے عرب کے مذاق کے مطابق قرآن میں بھی بعض سورتوں کی ابتدا میں حروف مقطعات نازل ہوئے اور چونکہ یہ طرز تحریر عرب میں معروف تھا اس لئے حروف مقطعات پر نہ تو کفار نے

کوئی اعتراض کیا اور نہ ہی مومنین نے اُن کے متعلق کوئی سوال اٹھایا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عرب کے ادبا تو اپنی تحریروں کی ابتدا میں حروف مقطعات محض زیب تحریر کے لئے لکھتے تھے اُن کا کوئی مطلب نہ ہوتا تھا ـــــ کیونکہ حروف مقطعات کا اُس وقت تک کوئی مطلب متعین نہیں کیا جاسکتا جب تک عربی زبان میں ایسے حروف سے جملے بنانے یا معانی اخذ کرنے کا کوئی مقررہ قاعدہ رائج نہ ہو۔ نیز اگر کوئی شخص اپنی تحریر کے مقطعات کا اپنے ذہن میں کوئی مطلب فرض کرے تو اُس سے بھی وہ حروف بامعنی نہ ہو جائیں گے۔ وہ حروف تو بامعنی جب ہی ہوسکتے ہیں جب ہر اہل زبان اُس مقررہ قاعدہ کی بنا پر اُن کا ایک ہی مطلب اخذ کرے ـــــ تو کیا قرآن کے مقطعات بھی عرب ادبا کے مقطعات کی طرح معاذ اللہ بے معنی ہیں اور محض زیب کلام کے لئے چند سورتوں کی ابتدا میں نازل فرما دیئے گئے ہیں۔ بوجوہ ذیل میرا خیال ہے کہ بات یوں نہیں ہے۔ جاری

اساتذہ اور اہل قلم حضرات سے!

رسالہ "اسلامی تعلیم" اور "اسلامک ایجوکیشن" اردو اور انگریزی زبان میں ان اساتذہ اور اہل قلم حضرات سے قلمی معاونت کا خواہش مند ہے جو سائنسی علوم بالخصوص طبیعات، کیمیا، حیاتیات، عمرانیات اور نفسیات پر اس انداز سے روشنی ڈال سکیں کہ ان کی نگارشات سے خدا کی وحدانیت کے تصور کو اجاگر کرنے میں مدد ملے۔ اس قسم کی کوشش پر مبنی اساتذہ کرام کے تیار کردہ مثالی اسباق (MODEL LESSONS) کا خیر مقدم کیا جائے گا اور ان کا معقول معاوضہ دیا جائیگا۔ یہ اسباق کالج کی سطح کے ہونے چاہئیں۔ وہ اساتذہ جو پہلے ہی اس کام میں مصروف ہیں اور اس کا تجربہ رکھتے ہیں انہیں اس سلسلے میں خاص توجہ دینی چاہیئے۔ علاوہ ازیں اس جریدہ میں مختلف زبانوں میں شہرت یافتہ کتابوں کے ایسے تلخیص و تراجم کو بھی شامل اشاعت کیا جائیگا جنکا محاکمہ اسلامی انداز فکر اور اسلامی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہو۔

مضامین صاف ستھرے خط میں ہوں اور کاغذ کے ایک طرف تحریر ہونے چاہئیں۔

سیکرٹری آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس - ۷ فریدز کالونی ملتان روڈ، لاہور

اخلاق و ادب

محمد انور

تکبّر کی حقیقت

(حلقہ تدبّر قرآن لاہور کی نشست میں پڑھا گیا)

اخلاقی مفاسد میں حکماء نے جس چیز کو شاید سب سے زیادہ قابلِ نفرت سمجھا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید کی ہے وہ تکبّر ہے۔ شیخ سعدی نے ان الفاظ میں اس سے خبردار کیا ہے۔

تکبّر مکن زینہار اے پسر
تکبّر عزازیل را خوار کرد

یعنی اے بیٹے تکبّر ہرگز نہ کرنا کیونکہ تکبّر ہی نے ابلیس کو راندۂ درگاہِ خداوندی کیا۔ جب تکریمِ آدم کے لیے اس کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے انکار کر دیا۔

تکبّر کی حقیقت کیا ہے۔ اس کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں متکبّرین کا انجام کیا ہوگا۔ تکبّر سے بچنے کے طریقے کیا ہیں۔ ذیل کے مضمون میں ہم ان سوالوں کا جواب دیں گے۔

تکبّر کا مطلب

کِبر کا مطلب ہے بڑا ہونا۔ لفظ تکبّر میں بناوٹ یا تصنّع کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو بزرگ ظاہر کرنا۔ بڑا بننا۔ غرور کرنا۔ حقیقت کچھ ہو ظاہر کچھ اور کرنا۔

قرآن مجید میں یہ لفظ باب استفعال سے بکثرت استعمال ہوا ہے۔ جس میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔ استکبر یعنی بہت زیادہ بڑائی ظاہر کی۔

تکبّر کی حقیقت قصّہ آدم و ابلیس سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور جنّات کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے حکم عدولی کی۔ قرآن نے بتایا ہے کہ ابلیس نے یہ نافرمانی تکبّر کی بنا پر کی کہ اسے آدم پر اپنی فوقیت کا احساس تھا۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ　　　اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم

قال انا خیرٌ منہ، خلقتنی من نارٍ وّ خلقتہ من طین ۔ — دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا۔ کہنے لگا میں اس سے (حضرت آدم) سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے ۔

یہ اللہ تعالےٰ کی پہلی نافرمانی تھی جس کی بنیاد تکبر تھی۔ اگر انبیاء علیہم السلام کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی دعوت کی تکذیب میں ان قوموں کے وہی افراد پیش پیش تھے جو اپنے تئیں دوسروں سے اعلیٰ و برتر خیال کرتے تھے اور ہر فضیلت کا مستحق صرف اپنے ہی کو سمجھتے تھے۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

قال الملا الذین استکبروا من قومہ للذین استضعفوا لمن اٰمن منھم اتعلمون انّ صالحا مُرسَلٌ من ربہ ۔ قالوا انّا بما اُرسل بہ مومنون قال الّذین استکبروا انّا بالّذی اٰمنتم بہ کٰفرون ٥ ۔ اعراف ۷۵-۷۶ — اس کی قوم کے متکبرین سرداروں نے کمزوروں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا کیا جانتے ہو کہ صالح اللہ کا رسول ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ (حضرت صالح) جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہم ان پر ایمان لائے۔ متکبرین نے کہا جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

واستکبر ھو و جنودہٗ فی الارض بغیر الحق وظنّوا انّھم الینا لا یرجعون ٥ القصص ۳۹ — فرعون اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹیں گے۔

وقال الّذین لا یرجون لقاءنا لولا اُنزل علینا الملٰئکۃ او نریٰ ربّنا لقد استکبروا فی انفسھم وعتوا عتوًّا کبیرًا ٥ الفرقان ۲۱ — اور جن کو (موت کے بعد) ہماری ملاقات کی امید نہیں تھی کہا کیوں نہ اترا ہم پر کوئی فرشتہ یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔ انہوں نے اپنے آپ میں تکبر کیا اور سرکشی کی بہت بڑی۔

متکبرین کی اس صفت کو ایک حدیث بھی واضح کرتی ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تکبر کی اصلیت یہ نہیں کہ آدمی صاف ستھری پوشاک پہنتا ہو بلکہ اپنی برتری اور دوسروں کی حقارت کا احساس اور اس کی خاطر حق کو رد کر دینا اصل تکبر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جنت

الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر۔ قال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنا و نعلہ حسنا قال ان اللہ جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق و غمط الناس۔ (رواہ مسلم)

میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہو گا۔ ایک شخص نے عرض کی۔ آدمی تو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ کبر یہ ہے کہ حق کے معاملے میں اکڑا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔

اوپر کی بحث سے تکبر کی حقیقت واضح ہوگئی اور یہ بھی واضح ہوا کہ خدا کی پہلی نافرمانی جو ابلیس سے سرزد ہوئی اس کی تہ میں تکبر کا جذبہ ہی کارفرما تھا اور پھر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ٹھکرانے میں ان کی قوموں کے متکبرین ہی سرفہرست تھے۔ یہ بات ان کو بہت عجیب معلوم ہوتی تھی کہ ان کو چھوڑ کر نبوت کسی بوریا نشین پر بھی آسکتی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے رسول بھیجنا ہی تھا تو کوئی ٹھاٹھ باٹھ والا آدمی ہوتا جس کے باغ ہوتے، نوکروں چاکروں کی ایک فوج خدمت کے لیے موجود ہوتی۔ یا کم از کم اس کی مجلس میں کوئی کھاتے پیتے لوگ شامل ہوتے۔ اگر کبھی ان کے دل کے اندر نبی کی طرف کوئی رغبت ہوئی بھی تو نبی کے پیروانوں سے جن کی اکثریت غربا پر مشتمل ہوتی بدکتے تھے اور مطالبہ کرتے کہ اپنے ارد گرد سے ان کمینوں کو ہٹا دیں تاکہ ہم آپ کی بات سن سکیں۔ ان کے ساتھ مل کر بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ یہی حال رؤسا قریش کا تھا۔

اگر ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو ہمیں انسانوں کی مختلف درجہ بندیاں نظر آئیں گی۔ ہمیں کوئی سے دو انسان بھی ایسے نہیں ملیں گے جو ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ ہر آدمی کی صلاحیتیں دوسرے سے جدا ہیں۔ اگر ایک کو علم و حکمت کی وجہ سے دوسرے پر فضیلت حاصل ہے تو دوسرے کو مال و منال کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ کوئی خوبصورت ہے تو کوئی بدصورت۔ انسانوں کی یہ درجہ بندی حکمت الٰہیہ کے تحت ہے۔ اگر سب انسان برابر پیدا کر دیئے جاتے تو دنیا کا نظام ہی چوپٹ ہو جاتا۔ یہ کارخانہ اسی لیے چل رہا ہے کہ کوئی حکم چلاتا ہے تو کوئی حکم بجا لاتا ہے اگر کسی انسان کو دوسرے پر کسی خاص پہلو سے برتری حاصل ہے تو اس کو اس پر اترانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

تکبّر کے اسباب

اپنی فوقیت کو اپنے زورِ بازو کا ثمرہ سمجھنا تکبّر کے اسباب میں جو بات سرفہرست ہے وہ ہے اپنی فوقیت کو اپنے زورِ بازو کا ثمرہ سمجھنا۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھ کر اس پر اس کا شکر بجا لایا جائے مگر متکبرین کے دماغ میں یہ بات آتی ہی نہیں۔ وہ ہر نعمت کو

قال انا خیرٌ منہُ، خلقتنی من نارٍ وّ خلقتہُ من طین ۔

دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا۔ کہنے لگا میں اس سے (حضرت آدم) سے بہتر ہوں ۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے ۔

یہ اللہ تعالےٰ کی پہلی نافرمانی تھی جس کی بنیاد تکبر تھی۔ اگر انبیاء علیہم السلام کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کی دعوت کی تکذیب میں ان قوموں کے وہی افراد پیش پیش تھے جو اپنے تئیں دوسروں سے اعلیٰ و برتر خیال کرتے تھے اور ہر فضیلت کا مستحق صرف اپنے ہی کو سمجھتے تھے۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

قال الملا الذین استکبروا من قومہٖ للذینَ استضعفوا لمن اٰمَنَ منھُمْ اَتعلمُونَ اَنَّ صالحًا مُرْسَلٌ من ربہٖ ۔ قالوا اِنّا بِمَا اُرسلَ بہٖ مومنون قال الّذین استکبَرُو اِنّا بالّذِیْ اٰمنتم بہٖ کٰفِرونَ ۝ ۔ اعراف ۷۵-۷۶

اس کی قوم کے متکبرین سرداروں نے کمزوروں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا کیا جانتے ہو کہ صالح اللہ کا رسول ہے ۔ انہوں نے کہا کہ وہ (حضرت صالح) جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہم ان پر ایمان لائے ۔ متکبرین نے کہا جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں ۔

واستکبر ھو و جنودہٗ فی الارض بغیر الحقِّ وَظنّوا اَنّھُم اِلَیْنَا لَا یرْجعُوْنَ ۝ القصص ۔ ۳۹

فرعون اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹیں گے ۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یرجُوْنَ لِقَاءَنَا لَوْلَا اُنزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰئِکَۃُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا ط لَقَدِ استکبَرُوْا فی اَنْفُسِھِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا کبیرًا ۝ الفرقان ۔ ۲۱

اور جن کو (موت کے بعد) ہماری ملاقات کی امید نہیں تھی کہا کیوں نہ اترا ہم پر کوئی فرشتہ یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو ۔ انہوں نے اپنے آپ میں تکبر کیا اور سرکشی کی بہت بڑی ۔

متکبرین کی اس صفت کو ایک حدیث بھی واضح کرتی ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تکبر کی اصلیت یہ نہیں کہ آدمی صاف ستھری پوشاک پہنتا ہو بلکہ اپنی برتری اور دوسروں کی حقارت کا احساس اور اس کی خاطر حق کو رد کر دینا اصل تکبر ہے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جنت

الجنة من كان فى قلبه مثقال ذرة من كبر۔ قال رجل ان الرجل يحب ان يكون ثوبه حسنًا و نعله حسنًا قال ان الله جميل يحب الجمال الكبر بطرالحق و غمط الناس۔ (رواہ مسلم)

میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہو گا۔ ایک شخص نے عرض کی۔ آدمی تو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ کبر یہ ہے کہ حق کے معاملے میں اکڑا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔

اوپر کی بحث سے تکبر کی حقیقت واضح ہوگئی اور یہ بھی واضح ہوا کہ خدا کی پہلی نافرمانی جو ابلیس سے سرزد ہوئی اس کی تہ میں تکبر کا جذبہ ہی کارفرما تھا اور پھر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ٹھکرانے میں ان کی قوموں کے متکبرین ہی سرفہرست تھے۔ یہ بات ان کو بہت عجیب معلوم ہوتی تھی کہ ان کو چھوڑ کر نبوت کسی بوریا نشین پر بھی آسکتی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے رسول بھیجنا ہی تھا تو کوئی ٹھاٹھ باٹھ والا آدمی ہوتا جس کے باغ ہوتے، نوکروں چاکروں کی ایک فوج خدمت کے لیے موجود ہوتی۔ یا کم از کم اس کی مجلس میں کوئی کھاتے پیتے لوگ شامل ہوتے۔ اگر کبھی ان کے دل کے اندر نبی کی طرف کوئی رغبت ہوئی بھی تو نبی کے پروانوں سے جن کی اکثریت غرباء پر مشتمل ہوتی بدکتے تھے اور مطالبہ کرتے کہ اپنے ارد گرد سے ان کمینوں کو ہٹا دیں تاکہ ہم آپ کی بات سن سکیں۔ ان کے ساتھ مل کر بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ یہی حال رؤسا قریش کا تھا۔

اگر ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو ہمیں انسانوں کی مختلف درجہ بندیاں نظر آئیں گی۔ ہمیں کوئی سے دو انسان بھی ایسے نہیں ملیں گے جو ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ ہر آدمی کی صلاحیتیں دوسرے سے جدا ہیں۔ اگر ایک کو علم و حکمت کی وجہ سے دوسرے پر فضیلت حاصل ہے تو دوسرے کو مال و منال کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ کوئی خوبصورت ہے تو کوئی بدصورت۔ انسانوں کی یہ درجہ بندی حکمت الٰہیہ کے تحت ہے۔ اگر سب انسان برابر پیدا کر دیئے جاتے تو دنیا کا نظام ہی چوپٹ ہو جاتا۔ یہ کارخانہ اسی لیے چل رہا ہے کہ کوئی حکم چلاتا ہے تو کوئی حکم بجاتا ہے اگر کسی انسان کو دوسرے پر کسی خاص پہلو سے برتری حاصل ہے تو اس کو اس پر اترانے کی بجائے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

تکبر کے اسباب

اپنی فوقیت کو اپنے زورِ بازو کا ثمرہ سمجھنا تکبر کے اسباب میں جو بات سرِفہرست ہے وہ ہے اپنی فوقیت کو اپنے زورِ بازو کا ثمرہ سمجھنا۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ ہر نعمت کو اللہ تعالےٰ کی عطا سمجھ کر اس پر اس کا شکر بجالایا جائے مگر متکبرین کے دماغ میں یہ بات آتی ہی نہیں۔ وہ ہر نعمت کو

اپنی منصوبہ بندی اور اپنی محنت کا نتیجہ شمار کرتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ وہ لوگ جو در بدر دھکے کھاتے پھرتے ہیں وہ بھی تو ان کی طرح ہی کے انسان ہیں۔ ان کی دو آنکھیں۔ دو ہاتھ۔ دو پاؤں۔ دو کان اور دماغ ہیں۔ پھر وہ کیوں مارے مارے پھرتے ہیں۔ کیا جس اللہ نے ان کو نعمتوں سے نوازا ہے وہ اگر چاہتا تو ان کو ان کی جگہ پر نہیں بٹھا سکتا تھا۔ ان میں یا ان کے بڑوں میں کونسی خوبی ایسی تھی جس کے صلے میں ان کو نوازا گیا۔ اللہ کریم کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کامیابیاں حاصل کی جائیں۔ اور ڈالا جائے اُن کو اپنے کھاتے ہیں، اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ اس کیرکٹر کی تصویر کشی سورۂ زمر کی اس آیت میں کی گئی ہے۔

فاذا مَسّ الانسانَ ضُرٌّ دعانا ثُمّ
اذا خوّلنٰه نعمةً منّا قالَ انّما
اُوتيتُه على علمٍ بلْ هيَ فتنةٌ
ولٰكنّ اكثرهُمْ لا يعلمون۔
(۴۹)

جب انسان کو کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے اور پھر (جب ہم تکلیف ہٹا کر) اپنی جناب سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھے میرے علم کی وجہ سے ملی ہے، نہیں بلکہ یہ جانچ ہے۔ لیکن اکثر ان میں اس کو نہیں سمجھتے۔

یعنی کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے ملنی ہی تھی کیونکہ مَیں اس کے ذرائع کا علم رکھتا تھا اور اس کے لیے محنتِ شاقہ کی تھی۔ پھر مجھے یہ کیوں نہ ملتی۔

مال و منال کی فراوانی

قرآن مجید نے مال و زر کو فتنہ قرار دیا ہے۔ انسان اس کو رضائے الٰہی کے مطابق خرچ کرکے جنت بھی خرید سکتا ہے اور اس کو شیطانی کاموں پر خرچ کرکے دوزخ کا ایندھن بھی بن سکتا ہے۔ قرآن مجید سے یہ بات واضح ہے کہ پیغمبروں کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے غریب ہی تھے۔ امیر اپنی دولت کے گھمنڈ میں آخری دم تک مخالفت پر کمربستہ رہے وہ کہا کرتے تھے۔ کیا یہی نبی بننے کے قابل رہ گیا تھا جس کا سماج میں کوئی مقام نہیں ہے۔ اس کے گرد بھی سارے نیچ لوگ جمع ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا ہمارے جیسے شرفا کے لیے باعثِ عار ہے۔ اس صورت حال کو سورۂ ھود میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

فقال الملا الذينَ كفروا من قومِهٖ
ما نراكَ الّا بشراً مثلنا و ما
نراكَ اتّبعكَ الّا الّذين هم
اراذِلُنا بادِيَ الرّاْيِ ۚ وما نرٰى

اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے بولے ہم تو تجھے اپنے جیسا ہی انسان سمجھتے ہیں اور نہیں دیکھتے تیری تابعداری کرنے والے مگر اپنے کمین جن کی رائے کی کوئی وقعت نہیں۔ ہم تمہاری اپنے

لکم علینا من فضلٍ بَلْ نظنکم کاذبین ٥ -۲۷

اور پہ کوئی فضیلت نہیں دیکھتے۔ بلکہ ہم تو تم سب کو جھوٹا شمار کرتے ہیں ۔

اس بحث سے یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ ہر صاحب مال متکبّر ہوتا ہے اور نہ ہی یہ کہ ہر قلاش آدمی دینی رجحان رکھتا ہے۔ نتیجہ ہمیشہ اکثریت سے اخذ کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مالدار گروہ کی اکثریت اپنی نمبرداری کو خطرہ میں پڑتے دیکھ کر نہ صرف یہ کہ پیغمبر کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے بلکہ اس کی ہر طرح سے مخالفت پر ڈٹ جاتی ہے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں گھس جانا ممکن ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ دولت مند خداوند کی بادشاہی میں داخل ہو۔ حضرت مسیح جب امراء کی طرف سے مایوس ہو گئے تو جھیل کے کنارے آباد مچھیروں کی بستی کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو پکارا کہ اے مچھلیوں کے پکڑنے والو۔ آؤ میں تمہیں آدمیوں کا پکڑنے والا بنا دوں تو انہوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر بھی پہلے ایمان لانے والوں میں غرباء کی اکثریت تھی۔ اس کے برخلاف سردارانِ قریش نے آپ کی مخالفت میں کیا کچھ نہیں کیا۔

آخرت پر ایمان نہ ہونا

تکبّر، جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے حق کو ٹھکرانا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا ہے۔ یہ بات صرف ایک ہی صورت میں انسان کے اندر پیدا ہو سکتی ہے جب اس کا آخرت پر ایمان نہ ہو۔ جب یہ یقین ہی نہ ہو کہ ایک دن ایسا آنا ہے جس دن ہر عمل کو خواہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہو حاضر کر دیا جائے گا تو پھر کوئی ایسی قوت نہیں جو اس کو تکبر سے روک سکے۔ ایمان تو زبان سے اقرار کرنا اور دل سے ماننا ہے۔ اگر زبان پہ کچھ ہے اور دل میں کچھ اور ہے تو اس پہ کوئی تعزیر تو نہیں لگائی جا سکتی۔ صرف اور صرف خداوند کریم کے سامنے حاضری اور پرسش کا خوف ہی انسان کو متکبرانہ خیالات سے روک سکتا ہے۔

و امّا من خاف مقامَ ربہٖ و نھی النفسَ عن الھویٰ ہ فانّ الجنّۃَ ھِیَ الماوٰی۔ النزٰعٰت

اور جو اپنے رب کے سامنے پیشی سے ڈرا، اور نفس کو خواہشات سے روکا تو اس کے لیے جنت ٹھکانا ہے۔

سورۂ کہف میں باغ والوں کے مکالمہ سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ تکبر کی وجہ آخرت پر ایمان کا نہ ہونا ہے۔ باغ والے امیر کی ایک ایک بات سے غرور ٹپکتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

انا اکثر منکَ مالاً و اعزّ نفراً ہ و دخل جنتہٗ وھو ظالمٌ لنفسہٖ

میں تجھ سے (غریب ساتھی سے) مال کے لحاظ سے کثرت والا ہوں اور نفری کے

قال ما اظنّ اَن تبید هٰذہٖ ابدًا و ما اظنّ الساعة قائمةً ولئن رددتّ الی ربّی لاجدنّ خیرًا منها منقلبًا ۳۶-۲۴

لحاظ سے بھی عزت والا ہوں۔ اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہنے لگا۔ میرا تو یہ خیال نہیں کہ اس پر کبھی کوئی آفت آئے گی۔ اور نہ ہی یہ خیال ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔ اگر (بفرض محال) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو اس سے لازمًا اچھا ہی بدلہ پاؤں گا۔

اتباع ہوا سورہ فرقان میں ارشاد باری تعالےٰ ہے :-

اَرَاَیتَ مَن اتّخذ الٰهه هواه اَفَاَنت تکون علیه وکیلًا

کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور کیا جس نے خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ کیا تم اس کا ذمہ لے سکتے ہو۔

وہ لوگ جن کا معبود ہی خواہش ہو ان سے قبولیت حق کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ وہی بات مانیں گے جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوگی۔ جو خلاف ہوگی اس کو ٹھکرا دیں گے۔ یہی تکبّر ہے۔ مثلاً یہودنے تورات میں ہر وہ چیز داخل کردی جو ان کی خواہشات کے مطابق تھی۔ تورات ان کی خواہشات کا مجموعہ بن کے رہ گئی۔ انہوں نے اسلام کو اس لیے ٹھکرایا کہ ہمیں کسی اسلام کی کیا ضرورت ہے ہم تو نبیوں کی اولاد ہیں۔ خدا کے چہیتے ہیں۔ اوّل تو ہمیں دوزخ میں ڈالا ہی نہیں جائیگا۔ اگر ڈالا بھی گیا تو صرف گنتی کے چند دن۔ سود کا انہوں نے یہ جواز نکالا کہ یہ صرف بنی اسرائیل سے لینا حرام ہے دوسروں سے نہیں۔

تکبّر کے اثرات

تکذیب رُسل اللہ تعالےٰ بندوں سے براہ راست کوئی معاملہ نہیں کرتا بلکہ رسولوں کے ذریعے سے کرتا ہے رسولوں کے ذریعے اپنا کلام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ متکبرین کو یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ ان کے اندر سے کوئی آدمی اٹھ کر یہ دعوے کردے کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ حالانکہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے اس سے نوازے۔ متکبرین پہلے تو یہ گستاخانہ مطالبہ کرتے کہ ان کے سرداروں کو نبوت کیوں عطا نہیں ہوتی۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا ہے تو وہ یہ کہتے کہ خدا خود آ کر یہ کیوں نہیں کہتا کہ فلاں شخص میرا رسول ہے یا کم ازکم فرشتے ہی ان پر اتر کر اس کی نبوت کی گواہی دے دیں۔ رسولوں کی اس بات پر کہ یہ کلام / یہ دعوت تو تمہاری عقل نہ

فطرت کی آواز ہے اس پر غور کرو اس کو ٹھکرا کر پہلی قوموں کی طرح اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دو، ان کا سیدھا جواب یہ ہوتا کہ ہم تو تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یہ سب باتیں تو نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں۔

آیاتِ الٰہی سے انحراف

تکبر کے نتیجے میں آدمی آیاتِ الٰہی سے پہلوتہی شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی آیات سے پھیر دیتا ہے۔

ساصرفُ عن آیاتیَ الذین یتکبّرون فی الارض بغیرِ الحقِ و اِن یروا کلّ ایۃٍ لایومِنُوا بھا و اِن یروا سبیلِ الرشدِ لایتخذوہ سبیلاً ط وَ اِنْ یروا سبیل الغیِّ یتخذوہ ۔ ذالکَ بانّھُمْ کذبوا باٰیٰتِنَا وکانوا عنھا غٰفلین۔ اعراف ۱۴۶

مَیں ان کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں تو ان کو نہ مانیں۔ اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اختیار نہ کریں اس کے برعکس اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس پر کاربند ہو جائیں۔ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے غافل رہے۔

ختمِ قلوب

آیاتِ الٰہی سے پہلوتہی کے نتیجے میں ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب خدا کے قانون کے مطابق متکبرین کے دلوں پر مہر ثبت کر دی جاتی ہے۔

کذالکَ یطْبَعُ اللّٰہ علیٰ کلِّ قلْبِ متکبِّرٍ جبارٍ ۞ المومن ۔ ۳۵

اسی طرح اللہ ہر جبار متکبر کے دل پر مہر ثبت کر دیتا ہے۔

یہ نوبت اوپر والے دو اثرات کے نتیجے میں آتی ہے۔ جب دل پر مہر ثبت ہو گئی تو پھر حق کا دل میں داخل ہونا ناممکن ہوتا ہے۔

صدعن سبیل اللہ

متکبر نہ صرف یہ کہ خود حق کو ٹھکراتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے روکتا ہے۔ قریش مکہ کی مثال ہمارے سامنے ہے انہوں نے نہ صرف خود نبی کریم کی دعوت کو ٹھکرایا بلکہ جنہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ کئی نومسلم ان کے ظلم کی تاب نہ لا کر چل بسے۔

متکبرین نہ صرف دوسروں کو اللہ کے رستے سے روکتے ہیں بلکہ خدائی دین کو نقصان پہنچانے کی سکیمیں بھی بناتے ہیں۔

فلما جاءھم نذیرٌ ما زادھم اِلّا نفورَا نِ ۟ۙ استکبارًا فی الارضِ و

پھر جب اُن کے پاس ڈرانے والا آیا تو ان کا نہ ہوا زیادہ مگر تکبر کے ساتھ زمین میں بدکنا اور بُری سکیمیں بنانا۔

مکرُ السیّئ ؕ فاطر

یعنی وہ اطاعت کی بجائے عداوت پر کمربستہ ہوگئے اور طرح طرح کے داؤ گھات شروع کر دیئے۔

متکبر کا جنت میں داخل ہونا اتنا ہی محال ہے جتنا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا۔ سورہ اعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

انّ الذین کذّبوا بِاٰیٰتنا واستکبروا عنھا لا تفتّح لھم ابواب السماءِ ولا یدخلون الجنۃ حتّی یلجَ الجمل فی سمّ الخیاط ؕ وکذٰلک نجزی المجرمین ؕ اعراف ۴	بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب اور استکبار کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے ہرگز نہیں کھولے جائیں گے۔ اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ ایک اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گزر جائے اور مجرموں کو ہم اس طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اسی مضمون کی تائید وہ حدیث مبارک کرتی ہے جو اوپر گزری۔

متکبرین کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا

اِنّ اللہ لا یحبّ المستکبرین ؕ	بے شک اللہ تعالیٰ متکبرین کو پسند نہیں کرتا۔

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات اور حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ متکبر کی سزا بڑی سخت ہے۔ رائی کے دانے کے برابر بھی کبر انسان پر جنت کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اس حکم میں آتا ہے فرعون کا کبر۔ قوم عاد۔ قوم ثمود۔ اہل مدین۔ یہود و نصاریٰ اور اہل قریش کا کبر جس کے ساتھ آیاتِ الٰہی کی تکذیب بھی شامل ہوتی ہے۔ اچھا کھانا۔ اچھا پہننا اور پاجامے کا ٹخنوں سے نیچے ہونا کبر نہیں ہے۔

تکبر سے بچنے کے طریقے

ہر فضیلت کو اللہ کی عطا سمجھنا

اگر کسی شخص میں کوئی خاص صفت ہے جو دوسروں میں نہیں ہے۔ تو یہ اس پر اللہ کریم کا احسان ہے جس پر اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ مال و اولاد۔ رزق کی فراوانی۔ صحت و تندرستی۔ علم و فضل سب اللہ کی عنایات ہیں۔ اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر۔ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے۔ جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وہ چاہتا تو چمار کو بادشاہ بنا سکتا تھا۔ اور بادشاہ کو چمار کی جگہ بٹھا سکتا تھا۔ ان چیزوں کا ہمیں آئے دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہے مگر ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں صرف فرزانہ لوگ۔ منعم کی عنایات پر اس کا شکر ادا کرنا مزید انعامات دلاتا ہے۔

و ان شکرتم لازیدنکم ۔ اگر شکر ادا کرو گے تو ہم مزید عطا کریں گے۔

اپنی حقیقت کو پہچاننا

کہ میں کیا ہوں ۔ کہاں سے آیا ہوں ۔ کن کن مراحل سے گزر کر میری پیدائش ہوئی میری پیدائش کا کیا مقصد ہے ۔ کیا میں وہ مقصد حاصل کر رہا ہوں ۔ کیا مجھ سے اس زندگی کے بارے میں کچھ باز پرس ہوگی ۔ اگر ہوگی تو میں اس کے لیے کیا تیاری کر رہا ہوں ۔ اگر مقصد صرف کھانا ۔ پینا ۔ سونا اور اٹھنا بیٹھنا ہے تو مجھ میں اور جانوروں میں کیا فرق ہوا ۔

قرآن پاک میں سورہ عبس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔

قتل الانسان ما اکفرہ ۔ من ای شیء خلقہ ۔ من نطفۃ خلقہ فقدرہ ۔ ثم السبیل یسرہ ۔ ثم اماتہ فاقبرہ ۔ ثم اذا شاء انشرہ ۔

۱۷ ۔ ۲۲

انسان ہلاک ہوگیا ۔ اس نے کس چیز کا انکار کیا (یہ نہیں سوچا) کہ کس چیز سے اس کو پیدا کیا ۔ حقیر نطفہ سے ۔ اس کو پیدا کیا اور پھر اس کو متناسب بنایا ۔ پھر اس کے راستے کو آسان بنا دیا ۔ پھر اس کو موت دے گا اور اس کو قبر میں ڈال دے گا ۔ پھر جب خدا چاہے گا اس کو دوبارہ کھڑا کرے گا ۔

اپنے سے اعلیٰ چیزوں کو مدِ نظر رکھنا

انسان کو محتاج پیدا کیا گیا ہے ۔ وہ قدم قدم پر دوسرے کا محتاج ہے اس کو جس حیثیت میں پیدا کیا گیا ہے وہ اس کو تبدیل نہیں کر سکتا قدرت کے اس کارخانے میں اس کو اپنی حقیقت کو پہچاننا چاہیئے جہاں بیشمار اشیاء ایسی موجود ہیں جو مختلف اعتبارات سے انسان سے برتر ہیں ۔ پہاڑوں کی بلندی کو انسان ایڑیاں اٹھا اٹھا کر بھی نہیں پہنچ سکتا ۔ زمین کی سختی اس کے لیے نرم نہیں ہو سکتی ۔ قرآن نے اس حقیقت کو ہمیشہ مدِ نظر رکھنے کا حکم دیا ہے ۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے ۔

ولا تمش فی الارض مرحا ۔ انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا ۔ ۳۷

زمین پر اکڑ کر مت چل کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندیوں کو پہنچ سکتا ہے ۔

ایسے ضعف و عجز اور اس بساط پر اترانے سے کیا فائدہ ۔

اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھنا

دوسروں کے عیبوں کی ٹوہ میں لگے رہنے کی نسبت اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیئے کہ میں کتنے پانی میں ہوں ۔ وقتاً فوقتاً اپنا مواخذہ کرنا چاہیئے ۔ دینی امور میں اپنے سے اعلیٰ کی تقلید کرنی چاہیئے اور دنیاوی رزق میں اپنے سے غریب کی طرف دیکھنا چاہیئے ۔

یہ باتیں آدمی کو اپنے آپے میں رکھتی ہیں ۔ اور تکبر سے بچاتی ہیں ۔

دعوت و تبلیغ دین کے موضوع پر

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شاہکار تصنیف

دعوتِ دین

اور اس کا طریق کار

فہرست ابواب | مروجہ طریق تبلیغ کی غلطیاں۔ تبلیغ کس لیے۔ انبیائے کرام پہلے کن کو مخاطب کرتے ہیں؟۔ انبیا کا طریق خطاب۔ دعوت دین میں تدریج۔ دعوت حق کے طریقے دعوت کی زبان اور داعیانہ طرز کلام۔ انبیائے کرام کا طرز استدلال۔ مخاطب کی نفسیات کا لحاظ۔ انبیائے کرام کا طریق تربیت۔ داعی حق کی ذمہ داری۔ دعوتِ حق کے مخالفین۔ دعوتِ حق کے موافقین۔ دعوت حق کے مراحل

سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۲۲۲، کاغذ نیوز پرنٹ۔ طباعت آفسٹ

مجلد مع ڈسٹ کور، قیمت ۵/- روپے

انبیائے کرام کے طریق انقلاب پر

مولانا امین احسن اصلاحی

کی ایک مختصر لیکن نہایت جامع تحریر

اقامتِ دین کے لیے انبیائے کرام کا طریق کار

سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ، طباعت آفسٹ۔ غیر مجلد، قیمت: ۵۰/-

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 20 | AUGUST 1973 | No. 8

دعوت رجوع الی القرآن

کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد

کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

کا انگریزی ترجمہ بعنوان

WHAT DO THE MUSLIMS OWE TO THE QURAN

از قلم : **پروفیسر محمد ابراهیم**

شائع ہو گیا ہے

۲۶ × ۲۰ / ۸ سائز کے ۴۸ صفحات ، عمدہ آفسٹ پیپر پر

خوشنما کور کے ساتھ

قیمت فی نسخہ ۔ ڈیڑھ روپیہ

شائع کردہ :

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

۱۲- افغانی روڈ ۔ سمن آباد ۔ لاہور (فون : ۶۸۲۳۵)

پبلشر : محی الدین ، طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ ۔ لاہور

مقام اشاعت : کوثر روڈ ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور